تعمیر حیات

لکھنؤ

پندرہ روزہ

یاد رکھنے کی باتیں

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے، علم دین بہترین میراث ہے، ادب و تربیت کا مشغلہ بہترین کام ہے، زہد و تقویٰ بہترین توشہ ہے جو سفر آخرت میں کام آتا ہے، خلوص دل کے ساتھ اللہ کی بندگی متاع گرانمایہ ہے، عمل صالح ایمان کی منزل مقصود کی طرف بہترین رہنمائی کرنے والا ہے، اخلاقِ فاضلہ بہترین ساتھی ہے، تحمّل و بُردباری بہترین مُعاون و مددگار ہے، قناعت سے بہتر کوئی تونگری نہیں ہے اور توفیق الٰہی سے عمدہ کوئی یار و مونس نہیں، اہل بصیر کے لئے موت سے زیادہ کوئی عبرتناک شئے نہیں ہے کہ خبر مرگ قافلۂ عمر کے لئے بانگِ رحیل ہے۔

المنبہات

زین القضاۃ احمد بن الحجی

اس شمارے میں

۱۔ رشتوں کا پاس و لحاظ	۲	۶۔ مسلم یونیورسٹی کا حادثہ	۱۰
۲۔ مسلم سربراہ کانفرنس	۳	۷۔ اعلامیہ تیسری سربراہ کانفرنس	۱۱
۳۔ تقریر پندرہویں صدی ہجری	۵	۸۔ عربی زبان قرآن پاک کی وجہ سے محفوظ ہے	۱۲
۴۔ حقیقت صلیب	۸	۹۔ جامعۃ الصالحات، بھٹکل	۱۳
۵۔ ادب اسلامی، بین الاقوامی سیمنار	۹	۱۰۔ تبصرۂ کتب	۱۵

۲۵ر فروری ۱۹۸۱ء — سالانہ چندہ: ۲۰ روپے — فی کاپی: ایک روپیہ

Regd No. LW/NP 56 — Phone: 22949, 29747

TAMEER-E-HAYAT

Fortnightly

NADWATUL-ULAMA LUCKNOW-226007 (INDIA)

نگرانِ اعلیٰ:

مولانا ابو العرفان ندوی

مجلسِ ادارت:

نذر الحفیظ ندوی

شمس الحق ندوی

محمود الازہار ندوی

پرنٹر، پبلشر جمیل احمد ندوی نے جے کے آفسیٹ پرنٹنگ پریس دھلی میں طبع کرا کر دفتر "تعمیر حیات" ندوہ لکھنؤ سے شائع کیا۔

ماء اللحم خاص

موسم سرما کا بہترین تحفہ

تازہ پھلوں کے رس اور مقوی ادویات کا بہترین مرکب قوت اور توانائی کا بیش بہا ذخیرہ۔

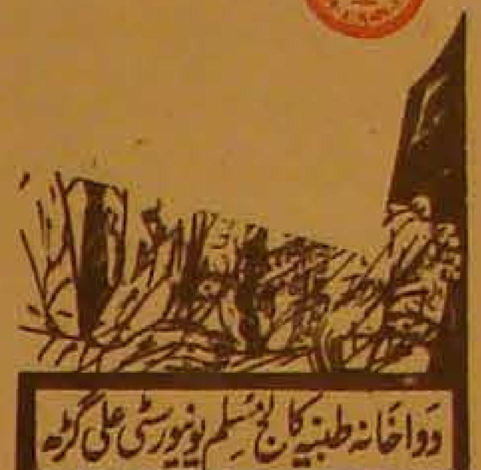

دواخانہ طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

شرائط ایجنسی

۱۔ پانچ سے کم پرچوں پر ایجنسی نہیں دی جائے گی۔

۲۔ فی کاپی دو روپیہ کے حساب سے زرِ ضمانت داخل کرنا ہوگا جو ایجنسی ختم ہونے کی صورت میں واپس کر دیا جائے گا۔

۳۔ ہر ماہ بل کی ادائیگی لازم ہے، عدم ادائیگی کی صورت میں زرضمانت سے رقم وضع کر کے ایجنسی بند کر دی جائے گی۔

۴۔ پانچ سے ۵۰ پرچوں تک ۲۵٪ پچاس سے زائد پر ۳۳٪ کمیشن دیا جائے گا۔

تعمیر حیات کی توسیع اشاعت میں حصہ لیجئے۔

نئی صدی کے استقبال کے موقع پر ماہنامہ ذکریٰ کی خصوصی اشاعت

احیائے اسلام نمبر

ترتیب: محمد یوسف اصلاحی

فروری ۱۹۸۱ء کے آخر میں

فوٹو آفسٹ کی روشن طباعت دلکش ٹائیٹل اور روایتی شان کے ساتھ

کے حالات، کارنامے اور سرفروشیوں کی ایمان افروز داستانیں

صدی کی بے بدل تفسیر تفہیم القرآن کا مفصل عالمانہ تعارف

تحریکی طالبات کے سوالات، مولانا مودودیؒ کے جوابات اور ان سے خطاب

اقوام متحدہ میں جنرل ضیاء الحق کی جامع تقریر اور اس کا پس منظر

امیر جماعت اسلامی ہند، قائد افغان مجاہدین محترم ربانی صاحب سے انٹرویو اور ملاقات کا ایمان افروز حال۔ اس کے علاوہ بہت کچھ

معلومات افزا، ایمان افروز اور ولولہ انگیز

تین سو سے زائد صفحات قیمت ۱۰/- سالانہ خریداروں کے لئے مفت

ماہنامہ ذکریٰ رام پور 244901 یوپی

لکھنؤ

تعمیر حیات

پندرہ روزہ

شعبۂ تعمیر و ترقی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر ۱۸ | ۲۵ فروری سنہ ۱۹۸۱ء ــــ ۱۹ ربیع الثانی سنہ ۱۴۰۱ھ | شمارہ نمبر ۸

نرخِ تعاون

اندرون ملک ــــــ	بیس روپے
فی پرچہ ــــــ	ایک روپیہ
بیرون ملک۔ بحری ڈاک۔ جملہ ممالک	۵ پونڈ
ہوائی ڈاک	
ایشیائی ممالک ــــــ	۷ پونڈ
افریقی ممالک ــــــ	۸ پونڈ
یوروپ و امریکہ ــــــ	۱۰ پونڈ

اداریہ

مسلم سربراہ کانفرنس

ماہ گذشتہ مکہ میں اسلامی سربراہ کانفرنس، جس میں ۲۷ ممالک کے سربراہ اور بقیہ ممالک کے نمائندے شریک تھے اپنے چھ روز اجلاس میں سیاسی مسائل، اقتصادی امداد و تعاون پر غور کیا اور کچھ اہم فیصلے بھی کئے نیز اسلامی عدالت کے قیام اور اسلامی ترقیاتی اسکیموں کے لئے اسلامی یکجہتی فنڈ کو تین ارب ڈالر تک بڑھا دیا ہے اس نے اسلامی ملکوں کے مابین تجارت اور اقتصادی شعبوں میں تعاون کو توسیع اور مستحکم کرنے پر بھی زور دیا ہے، کانفرنس نے اہم مسلم مسائل پر قرار دادیں پاس کیں، بیت المقدس کی آزادی کے لئے جہاد، فلسطین اور مقبوضہ عرب علاقوں کی واگذاری، افغانستان میں روسی مداخلت کی مذمت، ایران و عراق کے مابین جاری جنگ کو بند کرنے کی اپیل کی اس کے علاوہ کانفرنس نے اسلامی تعلیمات کی بنیاد پر مسلم ملکوں کے مابین یکجہتی، قحط سالی کے شکار ملکوں کی امداد کے لئے ایک خصوصی وزارتی گروپ کا قیام، جزیرہ مایوتے کی آزادی کے لئے کومورو کے مسلمانوں کی حمایت نیز فرانس سے اپیل کر وہ اس کا منصفانہ حل نکالے، اریٹریا کے مسلمانوں کے مسئلہ کا پر امن اور منصفانہ حل، اور براعظم افریقہ کی بھرپور امداد پر غور کیا، مذکورہ بالا قرار دادوں میں سے دو ایک کو چھوڑ کر کوئی بھی ایسی قرار داد نہیں ہے جس پر اس سے قبل مسلم وزراء خارجہ اور سربراہوں نے غور نہ کیا ہو ان ہی مسائل پر رباط کانفرنس میں غور ہوا، لاہور کی دوسری سربراہ کانفرنس میں غور کیا گیا اور ان ہی مسائل پر سنہ ۱۴۰۱ھ کے اس تاریخی اجلاس میں بھی غور کیا گیا اور قرار دادیں پاس کی گئیں، اور مسلمان اس سے مطمئن ہو گئے کہ بیت المقدس آزاد ہو گیا، فلسطین اور مقبوضہ عرب علاقے آزاد ہو گئے اور فلسطینیوں کے حقوق مل گئے، اریٹریا کے مسلمان امن وسکون سے رہ رہے ہیں اور ان کو بالکل فکر نہیں کرنی چاہیئے اب تمام مسائل کانفرنس کی میز پر حل ہو جاتے ہیں۔

پورا عالم اسلام دو گروپوں میں بٹا ہوا ہے اور ایک فریق دوسرے فریق کے خلاف نہ کوئی کارروائی کرنے کے حق میں ہے اور نہ ہی اس کے خلاف کوئی آواز سننے کے لئے تیار ہے اور خود ان ملکوں میں بھی اتنی طاقت نہیں کہ وہ جارح ممالک کے خلاف کوئی متحدہ اقدام کریں اور روسی افواج کی افغانستان سے واپسی ہو یا بصورت دیگر تمام اسلامی ممالک اپنے ملک میں مداخلت تصور کریں گے اور کم از کم سیاسی طور پر اس سے سفارتی تعلقات توڑ لیں، مگر ان میں سے کوئی بھی اپنی بات مضبوطی سے کہنے کے لئے تیار نہیں ہے بلکہ ان ہی میں روس کے ایسے ایجنٹ ہیں جو اس موقف کی پر زور وکالت کرنے کے لئے ہر کانفرنس میں شریک ہوتے ہیں۔

ان مسلم ممالک میں اتنی قوت نہ تھی کہ ایران اور عراق کی جنگ کو اپنے مخصوص اثرات کو استعمال کرتے ہوئے جنگ بند کروا دیتے اور دونوں کو مجبور کرتے کہ وہ ایک میز پر آکر اس کے تصفیہ کے لئے بات چیت کریں یا کم از کم ایران کو شرکت پر تیار کر لیتے اور خون مسلم کی ارزانی جو ان دونوں ملکوں میں اس وقت ہے وہ کسی طرح بند ہو جائے مگر ان سربراہوں نے ابھی کشت و خون کو ایک غیر عرب کمیٹی کے سپرد کر کے مزید خون بہانے کی اجازت دے دی۔

ان ممالک میں کتنے ایسے ہیں جہاں اسلامی سرگرمیوں کی ممانعت ہے، علماء قید و بند کی آزمائش سے گذر رہے ہیں ان کو اللہ و رسول کا نام لینے کی اجازت نہیں سرکاری فوج ان نہتے شہریوں کو اپنے ان اسلحوں کا جو چندہ کی رقومات سے غیر ممالک سے دشمن کے خلاف استعمال کرنے کے لئے خریدے گئے تھے نشانہ بنا دیتی ہے، کیا یہ اس کانفرنس کے زمرہ سے الگ کوئی چیز تھی، کیا اتنی بڑی جمعیت جو اسّی کروڑ کی نمائندگی کرتی ہے وہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان سے اس کا حق نہیں دلا سکتی، جب یہ نہیں کر سکتی تو دوسروں سے مسلمانوں کے حقوق کیسے دلا سکتی ہے اور دوسروں سے کس طرح مطالبہ کر سکتی ہے۔

مسلم ممالک کا ایک بھی ایسا سربراہ نہیں ہے جس پر چار ممالک متفق ہوں اور اس کی قیادت میں چلنے کے لئے تیار ہوں یا تو یہ ممالک امریکہ کی حفاظت میں ہیں یا روس نواز کمیونسٹ ممالک کے نرغہ میں ہیں اور جو برائے نام آزاد ہیں ان کو خطرات کا سامنا ہے اور اپنا وجود برقرار رکھنا مشکل ہو رہا ہے۔

مسلم ممالک کے پاس نہ سرمایہ کی کمی ہے اور نہ ہی وسائل کی، دنیا کے خام مال کا ایک بڑا حصہ ان کے پاس ہے، اشیاء خوردنی سے لے کر معدنیات تک ان کے پاس ہے، اور

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے لہذا اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپکی خدمت میں پہنچتا رہے تو اس کا سالانہ چندہ مبلغ بیس روپے ارسال فرمایئے۔ اگر اگلے شمارہ کی روانگی سے پہلے آپ کا چندہ یا خط موصول نہ ہوا تو یہ سمجھ کر کہ آپ کو وی۔ پی کا سے چندہ ادا کرنے میں سہولت ہے۔ اگلا پرچہ مع وی۔ پی خرچ Rs. 23/25 کے مطالبہ میں وی۔ پی سے روانہ ہوگا۔ چندہ یا خط بھیجتے وقت اپنا نمبر خریداری لکھنا نہ بھولیں۔

کتاب و سنت سے

رشتوں کا پاس ولحاظ

(مولانا سید عبدالحی حسنیؒ)

آیات:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ۔ (سورۂ نساء آیت ۔ ۱)

لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا، (یعنی اول) اس سے اس کا جوڑا بنایا۔ ان دونوں سے کثرت سے مرد اور عورت (پیدا کر کے روئے زمین پر) پھیلا دئے، اور خدا سے جس کے نام کو تم اپنی حاجت براری کا ذریعہ بناتے ہو ڈرو، اور (قطع مودت) اور ارحام سے (بچو)۔

وَالَّذِينَ يَصِلُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَن يُوصَلَ۔ (سورۂ رعد آیت ۔ ۲۱)

اور جن (رشتہائے قرابت) کے جوڑے رکھنے کا خدا نے حکم دیا ہے ان کو جوڑے رکھتے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا جب سب کو پیدا فرما چکا تو (رحم) رشتہ کھڑا ہوا، اور عرض کیا یہ (قطع رحم) رشتوں کے توڑنے سے آپ کی پناہ مانگنے کا مقام ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہاں کیا تم اس سے راضی نہیں کہ میں اس سے جوڑوں جو تم کو جوڑے اور اس سے توڑوں جو تجھ کو توڑے۔ (رحم) رشتہ نے عرض کیا ہاں کیوں نہیں! تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم کو یہ مقام حاصل ہو گیا، اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم چاہو تو پڑھ لو۔

فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِن تَوَلَّيْتُمْ أَن تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَىٰ أَبْصَارَهُمْ۔ (سورۂ محمد آیت ۔ ۲۲۔۲۳)

(اے منافقو!) تم سے عجب نہیں کہ اگر تم حاکم ہو جاؤ تو ملک میں خرابی کرنے لگو اور اپنے رشتوں کو توڑ ڈالو، یہی لوگ ہیں جن پر خدا نے لعنت کی ہے، اور ان (کے کانوں) کو بہرا اور (ان کی) آنکھوں کو اندھا کر دیا ہے۔

(متفق علیہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (رحم) رشتہ عرش پر لٹکا ہوا ہے اور کہتا ہے جو مجھ کو جوڑے گا اس سے اللہ تعالیٰ جوڑے گا اور جو مجھ کو کاٹے گا اس سے اللہ تعالیٰ کاٹے گا۔ (متفق علیہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اللہ کے نبی! میرے کچھ رشتہ دار ہیں میں ان سے جوڑتا ہوں اور وہ مجھ سے توڑتے ہیں، میں ان کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہوں، اور وہ مجھے ستاتے ہیں، میں ان کے ساتھ بردباری کا معاملہ کرتا ہوں اور وہ میرے ساتھ جہالت و گنوارپن کا معاملہ کرتے ہیں اس کی بات سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر تم ایسے ہی جیسا کہہ رہے ہو تو تم گویا ان کے منہ میں گرم راکھ جھونک رہے ہو، تم جب تک اپنی اس حالت پر قائم رہو گے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے ساتھ ایک مددگار لگا رہے گا۔ (مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، وہ رشتہ جوڑنے والا نہیں ہے جو برابر برابر کا معاملہ کرے، رشتہ جوڑنے والا وہ ہے کہ اس کا رشتہ توڑا جائے اور وہ اس رشتہ کو جوڑے۔ (بخاری)

حضرت ابو ایوب یعنی خالد بن زید انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، اے اللہ کے نبیؐ! آپ مجھے ایسا عمل بتا دیجئے جو مجھے جنت میں داخل کر دے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، نماز ادا کرو اور زکوٰۃ دو، اور رشتوں کو جوڑو۔ (متفق علیہ)

حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں مکہ مکرمہ میں (یعنی نبوت کے ابتدائی زمانہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے آپ سے پوچھا، آپ کیا ہیں؟ آپؐ نے فرمایا، نبی! پھر میں نے پوچھا نبی کیا؟ آپؐ نے فرمایا: مجھے اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے۔ پھر میں نے عرض کیا، کیا چیز لے کر آپ کو بھیجا ہے؟ آپؐ نے فرمایا، رشتوں کو جوڑنے، بتوں کو توڑنے، اللہ کے ایک ہونے کا اقرار کرنے، اور اپنے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنے کا پیغام لے کر مجھ کو بھیجا ہے۔ (مسلم)

حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انھوں نے ایک باندی کو آزاد کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت نہیں لی، جب ان کی باری کا دن آیا جس دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لاتے تھے، تو انھوں نے عرض کیا اللہ کے نبیؐ! آپ نے کچھ محسوس کیا، میں نے اپنی ایک باندی ــ کو آزاد کر دیا ہے، آپؐ نے فرمایا کیا واقعی تم نے ایسا کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں! آپؐ نے فرمایا، اگر تم نے اسکو اپنے ننہال والوں کو دے دیا ہوتا تو تمہیں بہت اجر ملتا۔ (متفق علیہ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کی یہ خواہش ہو کہ اس کا رزق کشادہ ہو عمر زیادہ، تو اس کو چاہیئے کہ رشتوں کو جوڑے۔ (متفق علیہ)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آہستہ نہیں بلکہ باآواز بلند سنا ہے۔ آپ فرما رہے تھے کہ فلاں خاندان کے لوگ میرے دوست نہیں ہیں، بلکہ اللہ میرا دوست ہے اور نیک مومن ہمارے دوست ہیں، لیکن ان کا رشتہ ہے اسی رشتہ کا پاس رکھتا ہوں۔ (متفق علیہ)

حضرت عبداللہ بن مسعود کی بیوی حضرت زینب ثقیفہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "اے عورتو! تم صدقہ کرو، چاہے اپنے زیور ہی میں سے کیوں نہ ہو، فرماتی ہیں کہ پھر میں عبداللہ بن مسعود کے پاس لوٹ کر آئی، اور ان سے کہا کہ آپ خالی ہاتھ ہیں (یعنی غریب) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو صدقہ کا حکم دیا ہے، آپ جا کر حضورؐ سے پوچھ لیں، اگر آپ کو میرا صدقہ دینا درست ہو تو نہیں دوسرے لوگوں پر خرچ کردوں، عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا، بلکہ تمھیں جاؤ، چنانچہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئی۔ دیکھتی ہوں کہ حضرات انصار میں سے ایک عورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر کھڑی ہے، اس کے آنے کا بھی مقصد وہی تھا جو میرا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم بارعب تھے (بات کرنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی) چنانچہ حضرت بلالؓ نکل کر ہم لوگوں کے پاس آئے، ہم نے ان سے کہا کہ آپ حضورؐ کے پاس تشریف لیجائیں اور اطلاع کر دیں کہ دروازہ پر دو عورتیں کھڑی ہیں۔ آپ سے پوچھ رہی ہیں کہ کیا ہم اپنے شوہروں اور ان کے زیر کفالت یتیموں کو صدقہ دیں تو جائز ہے؟ یہ نہ بتایئے کہ ہم لوگ کون ہیں، حضرت بلالؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لے گئے اور آپ سے پوچھا، آپ نے دریافت فرمایا، وہ دونوں کون ہیں؟ حضرت بلالؓ نے کہا ایک انصاریہ ہیں اور دوسری زینب ہیں، آپ نے پھر پوچھا کون سی زینب؟ حضرت بلال نے بتایا عبداللہ کی بیوی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان دونوں کو دوہرا اجر ہے، رشتہ کا اجر اور صدقہ کا اجر۔ (متفق علیہ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مدینہ منورہ میں کھجوروں کے

(بقیہ صفحہ ۱۱ پر)

پٹرول نے توان کو اقتصادی استحکام دیا ہے مگر اس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ ان ممالک کے پاس کوئی اتنی مضبوط صنعت نہیں ہے جس کی پیداوار پورے ملک کے لئے کافی ہو اور بھاری صنعت کا تو کوئی سوال ہی نہیں ان کو نہ فنی معلومات حاصل ہیں اور نہ ملکی افراد مہیا کر پائے ہیں اور اس معاملہ میں وہ دوسروں کے محتاج ہیں۔ کچھ ممالک اس میدان میں جانا بھی چاہتے ہیں تو ان کو موقع اور سرمایہ اور اپنے دوست ممالک کا تعاون نہیں حاصل ہو پاتا ہے اور ان ممالک میں اب بھی ایسے افراد کی کمی نہیں جو اپنے وطن اور قوم کے ہمدرد نہ ہوں مگر ان سے فائدہ نہیں اٹھایا جارہا ہے اور نہ کوئی ایسا جامع منصوبہ ہے جس سے سرمایہ کو ملک اور قوم کے مفاد میں بہتر سے بہتر طریقہ پر استعمال کیا جاسکے۔

سیاسی طور پر ان ممالک پر نظر ڈالئے تو یگانگت اور قرب کا تو کوئی سوال نہیں بلکہ ہر ایک دوسرے کو زک پہونچانے کے لئے تیار کھڑا ہے اور اس کی واضح مثال عراقی اور شامی صدروں کے باڈی گارڈ کی لڑائی ہے جہاں کسی سلطنت کی میراث نہیں بٹ رہی تھی کہ دونوں جذبات میں اس قدر مغلوب ہو گئے۔

کیا عالم اسلام کا اب صرف یہ کام رہ گیا ہے کہ ان کو جو اللہ تعالیٰ نے مال کی جو فراوانی دی ہے وہ اس کو ٹیبل پر بیٹھنے اور مذاکرات میں صرف کریں اور کچھ قدیم مسائل پر قدیم قراردادوں پر نظر ثانی کر کے عوام کے سامنے شاہ سرخیوں کے ساتھ پیش کر دیا جائے اور اس کو ملک و قوم اور تمام مسلمانوں کی بڑی خدمت سمجھی جائے۔

یہ صنعتی دور ہے اور صنعت بغیر مالیات کے زندہ نہیں رہ سکتی ہے اور مالیات اسی وقت پائیدار سمجھی جائے گی جب اس کا صحیح استعمال کیا جائے اور ملک و قوم کی ترقی اقتصادی ترقی ہی پر منحصر ہے درآمد شدہ اشیاء پر باعزت زندگی تو گذاری جاسکتی ہے اور وقتی طور پر اس سے فائدہ بھی اٹھایا جاسکتا ہے مگر اس کو پائیداری اور مضبوطی اسی وقت حاصل ہوگی جب یہ چیزیں خود تیار کی جائیں اور اقتصادیات اسی وقت مضبوط اور پائیدار تسلیم کی جائے گی جب اس کی برآمدات درآمدات سے زیادہ ہو، اس کے لئے عمل پیہم، جہد مسلسل کے ساتھ وسیع پیمانہ پر منصوبہ بندی کی ضرورت ہے جس کا تمام تر دارومدار ملک کے ان افراد پر ہے جو اپنے وطن و قوم کے ہمدرد ہیں اسی میں ان کے مسائل کا حل ہے اسی میں ان کی عزت و احترام پنہاں ہے اور دین و ایمان کو حقیقی عظمت اسی صورت میں حاصل ہوگی۔ اور صحیح طور پر توکل علی اللہ کے مفہوم سے روشناس ہوں گے اور ہر میدان میں خود کفالتی کا احساس بیدار ہوگا۔ کاش اس سربراہ کانفرنس نے مسلم اقوام کو تقویت دینے کے لئے کچھ ایسے منصوبہ بھی پیش کئے ہوتے جس سے ان کو مستقبل میں قوت و طاقت حاصل ہوتی اور وہ اپنا سرمایہ خود اپنے ہی پر صرف کرتے اور موقع و محل اور خام مال کے حصول میں سہولت کو مدنظر رکھتے ہوئے مذکورہ بالا ممالک میں صنعت کو تقسیم کرتے اور اس کو وسائل اور فنی معلومات فراہم کرتے۔ (م - ح)

بقیہ صہ ۱۴

یکسوئی حاصل ہو اور وہ محنت ولگن سے پڑھا سکیں اور تعلیم پر ان کی توجہ مرکوز رہ سکے، اس سے طلبہ کو بھی فائدہ پہونچے گا اور مدرسہ کو بھی، اور طلبہ اور مدرسہ کی ترقی آپ کی ترقی ہے اور یہ آپ کے لئے باعث فخر ہے اور آپ اس کو اس درجہ تک پہونچائیں کہ بڑے بڑے علماء عرب اور ماہرین تعلیم اس کو ایک مثالی مدرسہ پائیں۔

مولانا کی بمشکل آمد نے اس چھوٹی سی تحصیل کو جو زندگی و نشاط دیا ہے اور اس وقفہ میں اس قدر مفید اور کام کی باتیں اہل بھٹکل کے گوش گذار ہوئیں کہ اگر وہ اس کو مشعل راہ اور مشغل زندگی بنا سکے تو وہ اپنی بگڑی بنا سنوار سکتے ہیں اور اس کو پار لگا سکتے ہیں۔

سوداگر مکسچر کے اسپشلسٹ

عباس علاء الدین اینڈ کمپنی

Abbas Alauddin & Co.

WHOLESALE AND RETAIL TEA MERCHANTS.

اسپشل مکسچر	کپ برانڈ
اسپشل ممری	گولڈن ڈسٹ
ہوٹل مکسچر	فلاور بی، او، پی
سوداگر مکسچر	سوپر ڈسٹ

44, Haji Building, S. V. Patel Road,
Null Bazar, BOMBAY. 3.
Tele : Add. CUPKETTLE
Phone,. SHOP: 862220
RESI: 378054

۴۴۔ حاجی بلڈنگ، ایس، وی، پٹیل روڈ
نل بازار
بمبئی ۳

موسم ثقافی

جامعہ سلفیہ بنارس۔ ۲۰ ربیع الثانی ۱۴۰۱ھ مطابق ۲۶ فروری ۱۹۸۱ء یوم پنجشنبہ سے ایک دس روزہ موسم ثقافی کا سلسلہ شروع ہونے جارہا ہے، جس کا افتتاح مدینہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر عزت مآب ڈاکٹر عبداللہ بن عبداللہ الزاید حفظہ اللہ فرمائیں گے۔ موصوف کے علاوہ مدینہ یونیورسٹی کے جنرل سکریٹری فضیلت مآب الشیخ عمر بن محمد فلاتہ حفظہ اللہ بھی حاضرین سے خصوصی خطاب فرمائیں گے۔

نیز اس دس روزہ پروگرام کی نشستوں میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے تین فاضل اساتذہ فضیلۃ الشیخ حماد بن محمد انصاری، فضیلۃ الشیخ عبدالصمد محمد الکاتب اور ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن العمری ملک کے مختلف گوشوں سے آئے ہوئے طلبہ اور اہل علم کو متعدد علمی موضوعات پر لکچر دیں گے۔

پندرہویں صدی ہجری کی کل ہند تقریب کے موقع پر

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی صدارتی تقریر

۲۸ جنوری ۸۱ء کو وگیان بھون دہلی میں کل ہند سطح پر پندرہویں صدی ہجری کی تقریب منعقد ہوئی جس کا افتتاح وزیر اعظم ہند نے کیا۔ پورے ملک سے بڑی تعداد میں ممتاز اسکالروں، دانشوروں اور علماء کے علاوہ بیرون ملک کے اسکالر بھی مدعو تھے۔ مولانا علی میاں نے سیمینار کی صدارت کی مجوزہ تقریر جن ڈاکٹر محمد اشتیاق حسین قریشی نے ٹیپ سے نقل کیا، ادارہ ان کے اس تعاون کا شکر گذار ہے۔

حضرات! مجھے بہت افسوس اور شرمندگی ہے کہ میں دیر سے پہنچا اور جلد جارہا ہوں۔ میرا پلین لیٹ آیا۔ اس وجہ سے مجھے پہنچنے میں تاخیر ہوئی اور مجھے بیرون ہند کا ایک سفر کرنا ہے اس لئے میں ایسی موقر مجلس کو جس میں میرے لئے خود بھی استفادہ کرنے کا موقع تھا، میں اس سے محروم ہو رہا ہوں۔ امید ہے کہ آپ اس کو کسی بدمذاقی یا ناقدری پر محمول نہ فرمائیں گے بلکہ میری ذاتی مجبوری کو اس کا سبب سمجھیں گے۔ میں تاریخ کے ایک طالب علم کی حیثیت سے اسلامی کلنڈر اسلامی تقویم کے دو پہلوؤں کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔ یہ پہلو ایسے ہیں جو ہمارے فضلاء اور اسکالرکے غور کرنے کے ہیں اور اس پر لکھنے اور اس کی تحقیق کی ضرورت ہے، پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ حضرات یہ محسوس کرتے ہوں گے کہ دنیا کے جتنے مشہور کلنڈر ہیں، جتنی تقویمیں ہیں وہ کسی شخصیت کے نام سے یا کسی اہم واقعہ سے، کسی بڑی فتوحات سے، کسی سلطنت کے قیام سے منسوب ہیں مثلاً سب سے مشہور اور مروجہ اور جس کا حلقہ بہت وسیع ہے یعنی مسیحی تقویم، کرسچن کلنڈر وہ حضرت مسیح کی طرف منسوب ہے ان کے نام سے مشہور ہے۔ اسی طریقہ سے بکرمی سن جو ہمارے ہندوستان میں رائج تھا اور ابھی بھی بہت سے لوگ اس سے کام لیتے ہیں وہ راجہ بکرماجیت کی طرف منسوب ہے۔ ایسے ہی ایران میں جو سن رائج رہا ہے اسلام سے پہلے اور اب بھی علمی ادبی حلقوں میں اسی کا حوالہ دیا جاتا ہے وہ زرتشت کی طرف منسوب ہے۔ زردشتی تقویم یزدگرد کے سن جلوس سے ایک تقویم شروع ہوتی ہے اور اس کے سن ولادت سے ایک تقویم شروع ہوتی ہے۔

لیکن اسلامی تقویم کی اسلامی کلنڈر کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس کا انتساب کسی شخصیت کی طرف نہیں ہے۔ آپ سب جانتے ہیں کم سے کم مسلمان، ان کا اس پر عقیدہ ہے کہ "بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر"۔ لیکن انھوں نے بھی یہ پسند نہیں کیا کہ اپنی تقویم کو اس ذات گرامی کی طرف منسوب کریں اور اس سے مربوط کریں جس سے بڑھ کر کوئی محبوب اور محترم شخصیت ان کی نظر میں نہیں تھی، اور انھوں نے اس کو ہجرت کی طرف منسوب کیا۔ خود اسلام کا اپنے نام کے بارے میں بھی یہی رویہ رہا ہے کہ مختلف مذاہب بغیر اس کے کہ ان پر کوئی تنقید کی جائے، ان کی حق تلفی کی جائے لیکن ایک تاریخی واقعہ کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ اکثر مذاہب اپنے بانیوں کی طرف منسوب ہیں۔ مثلاً مسیحیت (Christianity) وہ حضرت مسیح (Christ) کی طرف منسوب ہے۔ ایسے ہی ہمارے ہندوستان کے بہت سے مذاہب، بلکہ اکثر مذاہب اور میں کہہ سکتا ہوں کہ تمام تر مذاہب اپنے بانیوں کی طرف منسوب ہیں۔ لیکن اسلام نے اپنا نام محمدیت رکھنا بھی پسند نہیں کیا اور شاید آپ کو معلوم ہو کہ مسلم یونیورسٹی کا نام پہلے محمڈن اینگلو اورنٹیل کالج (Mohammadan Anglo oriental college) تھا لیکن مسلمانوں نے خود یہ مطالبہ کیا کہ اس کا صحیح نام مسلم یونیورسٹی ہونا چاہئے۔ ایسے ہی محمڈن لا (Mohammadan Law) بھی ہمارے بہت سے مسلمان اور بہت سے ایسے علماء ہیں جو اس کو پسند نہیں کرتے اور اس کا اسلامی قانون نام رکھنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔

اسلام نے اپنا نام بھی ایک ایسی حقیقت کی بنیاد پر رکھا ہے جس کا مطلب ہے کہ خدا کے سپرد کر دینا، اپنے کو بالکل حوالے کر دینا (Surrender) خدا کے سامنے، اس کی منشاء کے سامنے، تو جس مذہب نے اپنا نام بھی کسی شخصیت کی طرف خواہ وہ کتنی ہی محترم و محبوب ہو، انتساب کرنا پسند نہیں کیا وہ اپنے کلنڈر کو، اپنی تقویم کو کیسے کسی شخصیت کی طرف منسوب کرتا، اس میں ایک بات یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ اسلامی تاریخ کے بہت سے ایسے اہم واقعات تھے جن کی طرف اس کلنڈر کی نسبت کی جاسکتی تھی مثلاً واقعہ بدر، فتح بدر، یہ ایک فیصلہ کن معرکہ تھا اور کہا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں کی پوری تاریخ جو اس کے بعد زمانی طور پر اس پندرہویں صدی تک پھیلی ہوئی ہے اور مکانی طور پر تقریباً پوری دنیا پر پھیلی ہوئی ہے یہ بہت کچھ رہین منت ہے، شرمندۂ احسان ہے، نتیجہ ہے، قدرتی نتیجہ ہے معرکۂ بدر میں فتح و نصرت اور کامیابی کا، مسلمانوں کے لئے یہ ایک بہت بڑا امتحان تھا کہ جب وہ اپنے کلنڈر کا نام رکھ رہے تھے اور اس کی ابتدا کر رہے تھے تو وہ اس کو بدر کی طرف منسوب کرتے اور بدر سے اس کا شمار کرتے ایسے ہی ولادت نبوی یا وفات نبوی سے اس کا آغاز کرتے اور ایسے کئی واقعات اسلام میں پیش آئے۔ فتح مکہ، مکہ کا فتح ہو جانا آپ کو معلوم ہے کہ اس نے اسلامی تاریخ کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے قبل فتح اور بعد فتح اور یہ ہماری اسلامی تاریخ کی اصطلاح بھی ہے ما قبل فتح مکہ اور ما بعد فتح مکہ، تو یہ بہترین موقع تھا۔

میں سمجھتا ہوں کہ کوئی مورخ، کوئی فاضل، کوئی حقیقت پسند انسان اس پر مسلمانوں کو ملامت نہ کرتا اور ان کے اس رویہ کو اس فیصلہ کو غلط ثابت نہ کرتا کہ انھوں نے اپنی تقویم کا آغاز فتح مکہ سے کیا لیکن مسلمانوں نے ایسا بھی نہ کیا بلکہ ہجرت کے واقعہ سے کیا جو کہ ایک مستقل پیغام ہے ایک سوال ہے۔

ہجرت کے کیا معنی ہیں، ترک وطن، گھر چھوڑ دینا، جو بالکل غیر طبعی اور ایک بالکل غیر فطری چیز ہے ایک بہت بڑی قربانی ہے۔ کیوں؟ اس کی نوبت کیوں آئی؟ یہ جو عنوان ہے ہماری تقویم کا، اسلامی تقویم کا، یہ عنوان اتنا تحقیق طلب اتنا تجسس طلب ہے اور انسان، اس کے اندر ایسی Curiosity (اشتیاق) ہے اس کے اندر ایسا تجسس کا مادہ ہے، تحقیق کا مادہ ہے کہ وہ اپنی طرف متوجہ کر لیتا ہے اور خود بخود ایک علامت استفہام ایک سوالیہ نشان بن جاتا ہے اور ہر پڑھے لکھے آدمی کو تھوڑی دیر کے لئے اس سوال کے جواب دینے پر متوجہ کر دیتا کہ ہجرت کیوں پیش آئی؟

ہجرت اسلام کی ایک لطیف دعوت ہے:

جب ہجرت کے متعلق کہا جائے کہ کیوں پیش آئی تو اسلام کا پیغام بیچ میں ضرور آئے گا اسلام کا آغاز کس طرح ہوا، کون اسلام کو لیکر آیا وہ کیا چیز تھی جس نے لوگوں میں ایک ہلچل پیدا کر دیا۔ اور وہ ہلچل اتنا پھیلا کہ اس کے بعد اس اسلام کے پیغام لانے والے کو ترک وطن پر مجبور ہونا پڑا۔

تو ایک طرف تو ہجرت ایک سوال ہے جیسی اتنی خوبصورتی کے ساتھ اتنی خوبی کے ساتھ اور ایسے خاموش طریقہ پر اسلام کے سمجھنے اور اسلام پر غور کرنے کی دعوت نہیں دی جاسکتی تھی، جتنی خوبصورتی، جتنی خوش اسلوبی، جتنی خاموشی، جیسی حکمت کے ساتھ اور جیسی لطافت کے ساتھ اسلام کے پیغام پر غور کرنے کی دعوت ہجری تقویم کے ذریعہ سے دی گئی ہے۔

جو شخص بھی اسلامی تقویم کی کوئی بات چیت کرے گا، ہجری سن لکھے گا، پوچھے گا، مقابلہ کرے گا عیسوی سن سے، بکرمی سن سے، زردشتی سن سے، اس کی مطابقت کرے گا اس کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہونا ضروری ہے کہ یہ ہجرت کیوں تھی، ایک تو یہ کہ یہ ایک

دعوت فکر ہے، عالمی پیمانے پر اور صرف عالمی (universal) پیمانے پر ہی نہیں بلکہ ابدی پیمانے پر۔ جب تک اسلام ہے جب تک مسلمان نام کی کوئی قوم ہے جب تک مسلمانوں کے نام کا کوئی ملک ہے، مسلم سوسائٹی ہے، اسلامی تہذیب ہے، اسلامی تاریخ ہے۔ اسلامی ثقافت، کلچر ہے، ہمیشہ یہ سوال ایک سوالیہ نشان بن کر سامنے آتا رہے گا کہ اسلام کیا ہے اور اس کی تاریخ میں یہ ہجرت کا واقعہ کیا پیش آیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ غور و فکر کرنے کی دعوت اس سے بہتر طریقے پر، اتنے عالمی پیمانے پر اور تاریخ کے اتنے عہدوں پر جو حاوی ہو اور پھیلا ہوا ہو ایسا سوال نہیں کیا جاسکتا۔ پھر میں نے عرض کیا کہ اس میں ایک پیغام ہے۔ کیا کوئی مقصد ایسا بھی ہو سکتا ہے جس کے لئے آدمی ترک وطن پر مجبور ہو جائے اور ایسی مقدس ہستی، ایسی محترم ہستی۔ جس کی قوم کے لوگ اس کو 'صادق' اور 'امین' کے لفظ کے علاوہ کسی لفظ سے یاد نہیں کرتے تھے۔ ان کی زبانیں سوکھتی تھیں اُن کے منہ خشک ہوتے تھے۔ الصادق۔ الامین۔ الصادق الامین کہتے کہتے ہر وقت وہ اس کو الصادق الامین کے لفظ سے پکارتے تھے۔ کیا ایسے، اپنی قوم کے ایسے، اپنی قومیت کے ایسے محبوب ایسے معتمد علیہ، ایسے قابل اعتماد ایسے مثالی فرزند کو وہ مجبور کر سکتے ہیں کہ وہ عزیز اور محبوب وطن چھوڑ کر چلا جائے؟ یہ بڑے سوچنے کی بات ہے ایک دعوت فکر ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ ہجرت انسانی ضمیر کو جگانے والی چیز ہے اور ایک most ancient [illegible] (سب سے زیادہ اولوالعزم) کی جو چیز ہو سکتی ہے، کوئی پیغام ہو سکتا ہے وہ اسلامی تقویم کے اندر موجود ہے کہ جس دعوت کا، جس message (پیغام) کا، جس Religion (مذہب) کا، جس [illegible] (تاریخ) کا جس عہد کا آغاز ہجرت سے ہوا تھا اس کا انجام کیا ہوا۔

جب چند [illegible] بھر انسانوں [illegible] تھا

وہ مجبور تھے کہ وہ اس وطن کو چھوڑ جائیں، وہ دنیا کے اتنے بڑے حصہ کو اپنا وطن بنا سکتے ہیں، کیا تاریخ ایسا پلٹا کھائے گی، کیا زمانہ ایسا کروٹ لے گا، کیا آسمان ایسا رنگ بدلے گا کہ وہ جماعت جس کے لئے اس کے وطن مکہ میں گنجائش نہیں تھی، سانس لینے کی، وہ دنیا کے ہر چپہ پر دنیا کے ہر گوشہ میں پائی جائے گی۔

یہ اتنا بڑا تضاد ہے جس سے بڑھ کر تضاد ہمیں انسانی تاریخ میں نظر نہیں آتا۔ آغاز جس کا اس طرح ہوتا ہے کہ اس کو اپنے شہر کو، اپنے اس عزیز وطن کو جاتے جاتے اس پیغمبر نے نظر ڈالی اور کہا کہ اے مکہ! تو مجھے بڑا عزیز تھا۔ . . . . . مجھے بڑا پیارا تھا۔ لیکن تیرے رہنے والے مجھے خدائے واحد کی پرستش و عبادت نہیں کرنے دیتے اس لئے میں تجھ کو چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ اس لئے چلتے وقت بھی — حالانکہ وہ حقیقت مجسم تھا۔ صداقت مجسم تھا، وہ ساری دنیا میں ایک صداقت کو لے کر آیا تھا، لیکن وہ اپنے اس جذبے کو، جذبہ و حب الوطنی کو نظر انداز نہیں کر سکا اور اس نے ایک نگاہ غلط انداز ڈالی، مکہ کی بچھڑتی ہوئی آبادی اور بستی پر اور کہا کہ اے مکہ! اپنی خوشی سے میں تجھے چھوڑنے والا نہیں تھا، لیکن مجھے یہ پیغام تجھ سے زیادہ عزیز ہے۔ میں اس پیغام کی خاطر تجھے چھوڑ کر جا رہا ہوں۔

دنیا میں میں نہیں سمجھتا کہ اس کی مثال آسانی سے ملے گی۔ ایک تاریخ کے طالب علم کی حیثیت سے میں پورے دعوے کے ساتھ نہیں کہتا کہ نہیں ملے گی۔ میں اس میں احتیاط برتتا ہوں۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ آسانی کے ساتھ نہیں ملے گی۔ تو جس تاریخ کا آغاز ایسا مجبور، ایسی بے بسی اور بے کسی کا ہو، اس تاریخ کا انجام نہیں کہتا۔ [illegible] اس تاریخ کا انجام نہیں آیا۔

آپ مجھے معاف فرمائیں [illegible] ابدی پیغام ہونے کا قائل ہوں میں اسلام کے انسانیت کی ضرورت ہونے کا قائل ہوں، میں اسلام کے ایک ابدی حقیقت ہونے کا قائل ہوں میں کیسے کہوں کہ اس کا انجام سامنے آگیا۔ نسل انسانی کا انجام ابھی نہیں

آیا، تہذیب انسانی کا انجام ابھی ہمارے سامنے نہیں آیا۔ خدا کے اس آخری پیغام کا انجام ابھی نہیں آیا لیکن اس کا درمیانی حصہ بھی کتنا شاندار ہے کہ دنیا کے ہر ملک میں وہ پہنچا اس کے قدم پہنچے اور قدم ہی نہیں پہنچے، پیغام بھی پہنچا اور اس نے وہاں ایک نئی زندگی پیدا کی، اس نے ایک نئی روشنی عطا کی، اس نے عقل انسانی کو ایک نئی آزادی اور ایک نئی جرأت عطا کی اس نے ضمیر انسانی کو ایک نئی بیداری عطا کی وہ اسلام جس کے لئے مکہ میں گنجائش نہیں تھی اور اس کے بہترین نمائندے کے لئے گنجائش نہیں تھی اور ان لوگوں کی موجودگی کی گنجائش نہیں تھی جو اپنا سر ہتھیلی پر رکھے ہوئے تھے اور جو صداقت مجسم تھے وہ اسلام ہم جیسے کمزور مسلمانوں کے ہوتے ہوئے بھی آج ساری دنیا پر سایہ فگن ہے۔

تو یہ ایک سوال بھی ہے ایک دعوت فکر بھی ہے، ایک پیغام بھی ہے اور پھر اس کے بعد میں اس حقیقت کی طرف فضلا کے اس مجمع کو متوجہ کروں گا کہ جس تقویم کا آغاز ہجرت کے لفظ سے، ترک وطن کے لفظ سے، انخلاء کے لفظ سے، migration (ہجرت) کے لفظ سے ہو رہا ہے اس اسلام نے اپنی تعلیمات کی بدولت اپنے پیروؤں میں وہ خود اعتمادی پیدا کی کہ ایک طرف تو ان کا پیغمبر مکہ جیسا عزیز وطن، مقدس وطن چھوڑنے پر مجبور ہے دوسری طرف اس کے پیروؤں کی خود اعتمادی اور حوصلہ مندی کا حال یہ ہے کہ طارق جب اسپین کے ساحل پر اترتا ہے اور لوگ کہتے ہیں کہ سمندر سامنے ہے اور ایک پورا بحر اعظم تمہارے پیچھے ہے جو تمہارا استقبال کرنے کے لئے تیار نہیں، تمہارے لئے یہاں جگہ نہیں ہے تو وہ کہتا ہے، ہر ملک ملک ماست کہ ملک خدائے ماست

جس تقویم کا آغاز ہجرت سے ہوتا ہے اس تقویم کے ماننے والے، اس تقویم سے اپنی تاریخ مرتب کرنے والے، ایسے جرأت مند انسان پیدا کرتے ہیں جو اس بیگانہ سرزمین پر جہاں ہر چیز اس کی دشمن تھی اور جہاں اس کو بلایا نہیں گیا تھا، وہاں اس [illegible] کے ساتھ [illegible] کہ جانے کا کیا سوال، ہر ملک ملک ماست [illegible]

سے اور آپ سے عرض کروں گا تاریخ کے فضلا، اور تاریخ کے اساتذہ کی حیثیت سے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کا جو پہلا قافلہ آیا وہ بھی اسی اعتماد کے ساتھ اور انہی امنگوں کے ساتھ آیا کہ "ہر ملک ملک ماست کہ ملک خدائے ماست"

ہندوستان میں جو مسلمان ترکستان کے راستے سے ایران کے راستے سے افغانستان کے راستے سے اور عرب ممالک کے راستے سے آئے انھوں نے یورپ کی مستعمر اور یورپ کی آبادکار اور شہنشاہیت پسند طاقتوں کی طرح ہندوستان کو صرف آمدنی حاصل کرنے کا، اپنی فوجی طاقت میں اور اپنی دنیاوی ساکھ میں اضافہ کرنے کا ذریعہ نہیں سمجھا بلکہ مسلمان یہاں آئے یہ کلمہ پڑھتے ہوئے اس وظیفہ کے ساتھ کہ ہر ملک ملک ماست کہ ملک خدائے ماست۔ ہر وہ ملک ہمارا ملک ہے جو ہمارے خدا کا ملک ہے انھوں نے ہندوستان میں قدم رکھا اور اپنے طرز عمل سے یہ ثابت کر دیا کہ انھوں نے اس ملک کو اپنا ملک سمجھا تھا۔ انھوں نے یہاں علوم و فنون کے دریا بہائے انھوں نے یہاں کئی مستقل علوم ایجاد کئے۔ انھوں نے ہندوستان کی تہذیب میں، ہندوستان کی علمی دولت میں، ہندوستان کی ذہانت میں، ہندوستان کے ادبیات میں، ہندوستان کی شاعری میں، ہندوستان کے احساسات میں، ہندوستان کے آپس کے تعلقات میں، ہندوستان کے دوسرے ملکوں کے ساتھ تعلق میں ہر چیز میں اضافہ کیا۔

ہر علم علم ماست کہ فیض خدائے ماست:

تو جو تاریخ شروع ہوتی ہے ہجرت سے وہ تاریخ ہمیں یہ تصور دیتی ہے ہمیں یہ طرز فکر دیتی ہے کہ ہر ملک ملک ماست کہ ملک خدائے ماست۔ بلکہ میں ایک قدم آگے بڑھا کر یہ کہوں گا کہ مسلمانوں کا عقیدہ صرف اسی پر نہیں تھا کہ ہر ملک ملک ماست کہ ملک خدائے ماست بلکہ ان کا اس پر بھی عقیدہ تھا کہ ہر علم علم ماست کہ فیض خدائے ماست۔ ہر وہ علم ہمارا علم ہے، ہماری ملکیت ہے، ہمارا اس پر حق ثابت ہے ہم سے وہ مطالبہ کرتا ہے کہ ہم اس کی خدمت کریں، اس میں وسعت پیدا کریں اس میں

ہم نئی نئی تراشیں خراشیں پیدا کریں، ہم اس کو سنواریں، ہم اس کو آراستہ کریں کہ وہ ہمارے خدا کا فیض ہے مسلمانوں نے "وعلّم آدم الاسماء کلھا" پر عمل کیا کہ جب نسل انسانی کے پہلے بانی کو اللہ تعالیٰ نے اسماء کا علم عطا کیا۔ کائنات کی حقیقتوں کا علم عطا کیا۔ موجودات کا علم عطا کیا۔ مسلمانوں نے ہمیشہ اس پر یقین رکھا کہ یہ ہمارا فرض ہے اور نہ صرف اخلاقی فرض ہے نہ صرف دماغی فرض ہے، نہ صرف ثقافتی فرض ہے بلکہ مذہبی فرض ہے کہ ہم دنیا کے تمام علوم سے واقفیت پیدا کریں۔ ہر علم میں صرف شاگردانہ نہیں بلکہ استادانہ، صرف مقلدانہ نہیں بلکہ مجتہدانہ اور موجدانہ حصہ لیں۔ اس لئے میں آپ کو اس حقیقت کی طرف متوجہ کرتا ہوں۔ میں آپ سے بدگمانی نہیں کرتا کہ کبھی آپ کا ذہن اس طرف نہیں گیا لیکن میں جب ہی اپنی بات وضاحت کے ساتھ کہہ سکوں گا جب یہ فرض کر لوں کہ میں ایک نئی بات کہہ رہا ہوں اگر یہ نئی بات نہیں ہے تو میں آپ سے معافی چاہتا ہوں لیکن میرے لئے ایک انکشاف ہے [illegible] مجھ سے تقویم اسلامی پر کچھ کہنے کی فرمائش کی گئی تھی۔ پہلی مرتبہ تو میرا ذہن اس طرف منتقل ہوا۔ آخر کیا بات ہے کہ دنیا کے پچاس کلنڈرس میں سب کے نام اشخاص کے نام پر ہیں یا فتوحات کے نام پر ہیں۔ یا بڑی بڑی سلطنتوں کے قیام کے نام پر ہیں۔ ایک ہی کلنڈر دنیا میں کیوں ایسا ہے جس کی نسبت اپنے پیغمبر کی طرف بھی نہیں ہے اس میں کسی شخص کو اعتراض ہو سکتا تھا کہ اس تقویم کا نام تقویم محمدی ہوتا، اسلامی جنتری کا نام محمدی جنتری ہوتا۔ آج ہمارے Publishers ناشرین شائع کر سکتے ہیں، لیکن مستند نام جو ہے classical (مسلم الثبوت) نام جو ہے۔ قانونی نام جو ہے ہماری تقویم کا، وہ تقویم ہجری ہے اور ہجرت، ہجرت کے واقعہ کو کیوں انتخاب کیا تاکہ دنیا کے تمام ان لوگوں کو جو صحیح مقصد کے لئے برسرِ پیکار ہیں جو کسی نوبل کاز کے لئے لڑ رہے ہیں جو ستائے ہوئے ہیں جو صداقت کا پیغام

دے رہے ہیں جو ظلم کو مٹانا چاہتے ہیں جو مساوات انسانی کا دنیا میں چلن پیدا کرنا چاہتے ہیں، جو عدل اجتماعی کا پیغام دیتے ہیں۔ Social Justice (سماجی انصاف) کا پیغام دیتے ہیں ان کو معلوم ہو جائے ان کی یہ ہمت بندھے کہ جس نے آج سے چودہ سو برس پہلے یہ پیغام دیا تھا، اس کو ہجرت پر مجبور ہونا پڑا تھا وہ آج دنیا کی ایک بہت بڑی ملت نہیں بلکہ دنیا کی آبادی کے ایک بہت بڑے عنصر جو ناقابل نظر انداز ہے، اس عنصر کو جو کہ ایک طرح سے موجودہ تہذیب کا معمار ہے، اس کا پیغمبر ہے۔ تو یہ ہمارے حوصلوں کو بڑھانے والی چیز ہے کہ وہ تاریخ جو ہجرت سے شروع ہوئی تھی جو اس بے کسی اور بے بسی کے ماحول سے شروع ہوئی تھی کہ . . . مکہ روادار نہیں تھا، مکہ کے رہنے والے اس کے لئے تیار نہیں تھے کہ اس کو ایک منٹ رہنے دیں اور اس نے اس کو خیرباد کہا اور مدینہ کی طرف چل کھڑا ہوا۔

درشبستان حرا خلوت گزید
قوم و آئین و حکومت آفرید
ماند شبہا چشم او محروم نوم
تا بہ تخت خسروی خوابید قوم

شبستان حرا میں اس نے چند راتیں گزاریں، نتیجہ اس کا کیا نکلا۔ قوم و آئین و حکومت آفرید۔ قوم پیدا کر دی۔ آئین پیدا کر دیا۔ حکومت پیدا کر دی۔ ایک حکومت نہیں سیکڑوں و ہزاروں حکومتیں پیدا کر دیں اس کی چشم ہائے مبارک اس کی آنکھیں جنھوں نے خدا کا جلوہ دیکھا تھا جنھوں نے ابدی صداقت کی تجلی دیکھی تھی جنھوں نے انسانیت کی مظلومی اور محرومی دیکھی تھی وہ آنکھیں چند راتیں بلکہ کہنا چاہئے، چند ساعتیں نیند سے محروم رہیں نتیجہ کیا نکلا نتیجہ یہ نکلا کہ اس کی قوم تخت خسروی پر آرام سے سوئی اور میں بڑے ادب کے ساتھ عرض کروں گا، آرام سے سوئی نہیں بلکہ جاگتی رہی تخت خسروی پر بھی وہ جاکر سو نہیں گئی بلکہ تخت خسروی پر جاکر اس نے پوری انسانیت کی پاسبانی کی۔ اس نے پوری انسانیت کے مسائل کا مطالعہ کیا، اس نے دیکھا کہ کس ملک میں اس کی مدد کی ضرورت ہے

کس ملک میں اس کے پیغام کی ضرورت ہے کس ملک میں اس کے پہنچنے کی ضرورت ہے تو تاج و تخت خسروی نہیں بہت ادب کے ساتھ میں اقبال کی روح سے معافی مانگتے ہوئے کہوں گا کہ نہیں خوابید نہیں کہ وہاں بھی وہ بیدار رہی۔

صدی ہجری پیغام دیتی ہے کہ مایوس ہونے کی ضرورت نہیں، سچائی رنگ لائے گی:-

حضرات! ہم جب اس وقت ساری دنیا میں پندرہویں صدی ہجری کی آمد آمد پر تقریبیں منا رہے ہیں، اور بہت خوشی کی بات ہے کہ ہمارا یہ ملک جس میں اس تقویم کے ماننے والے اور اس تقویم سے کام لینے والوں کی تعداد کا ایک بہت بڑا حصہ یہاں آباد ہے یہ بات بالکل برمحل ہے اور بالکل قرین قیاس ہے کہ یہاں بھی یہ تقریب اسی شان و شوکت اور اسی آن بان کے ساتھ منائی جائے جیسا کہ آپ حضرات کے فاضلانہ مقالات کو سن کر آپ حضرات کے درخشاں چہروں کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے میں اس میں اپنی طرف سے اتنا اضافہ کرتا ہوں کہ یہ تقویم صرف اس لئے نہیں ہے کہ منائی جائے یہ تقویم ایک پیغام دیتی ہے اگر اور کوئی پیغام نہیں تو میں یہ کہنے کی جرأت کروں گا کہ پیغام فکر دیتی ہے پیغام مطالعہ دیتی ہے، پیغام غور دیتی ہے، پیغام انصاف دیتی ہے کہ آپ دیکھیں کہ جب کوئی چیز سچی ہوتی ہے یہ تقویم اعلان کرتی ہے کہ کسی بات کا سچا ہونا اور اچھا ہونا کافی ہے اس کے زندہ رہنے کے لئے، اس کے پھیلنے کے لئے اُسے کامیاب ہونے کے لئے اس کے مقبول ہونے کے لئے۔ صرف اس کا اچھا ہونا اور سچا ہونا کافی ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو اس تقویم اسلامی کو ہرگز اس کا حق نہ تھا اور بے رحم حوادث و واقعات اور یہ سنگدل دنیا اور یہ مادہ پرست دنیا کبھی اس کو موقع نہ دیتی کہ وہ اس طرح پھلے پھولے اور دنیا کے اتنے بڑے حصے میں پھیلے۔ یہ اس کی سچائی کا کرشمہ تھا اور یہ ہجری تقویم یہ ہجری کلنڈر ہر انسان کو، دنیا کے ہر اس انسان کو جس کو سچائی

عزیز ہے، دنیا کے ہر انسان کو جو سچائی کی کوئی قیمت ادا کر رہا ہے، دنیا کے ہر انسان کو جو سچائی کے لئے کوئی مصیبت جھیل رہا ہے، یہ پیغام دیتی ہے کہ مایوس ہونے کی ضرورت نہیں، سچائی رنگ لائے گی یہ سچائی ظہور اسلام اور بعثت محمدی کے رنگ میں رنگ لائی یہ سچائی قربانیوں کے رنگ میں رنگ لائی، یہ سچائی انصاف اور عدل کے رنگ میں رنگ لائی۔ بس میں ان الفاظ کے ساتھ شکریہ ادا کرتا ہوں اس اعزاز پر جو آپ نے مجھے بخشا اور آپ حضرات کا استقبال کرتا ہوں اور معذرت کرتا ہوں کہ میں دیر سے پہنچا اور مجبوری سے میں پہلے سے اٹھ جاؤں گا اور بہت سے فاضلانہ اور محققانہ مقالات کے سننے سے محروم رہوں گا۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ یہ دعوت فکر دے جاؤں کہ اس کا نام ہجری تقویم کیوں رکھا گیا اور ہجرت کے اندر کیا پیغام ہے، ترک وطن میں کیا طاقت ہے، ترک وطن نہیں ترک وطن تو ایک محدود واقعہ ہے جو عارضی طور پر تاریخ کے کسی دور میں اور روئے زمین کے کسی حصہ میں کبھی کبھی مجبوری سے پیش آتا ہے میرے الفاظ کا آپ خیال رکھیں ——— میں Definition (تعریف) دے رہا ہوں ترک وطن ایک محدود واقعہ ہے جو عارضی طور پر دنیا کے کسی محدود و مخصوص جگہ پر مجبوری کے حالات میں پیش آتا ہے۔ اصل پیغام یہ ہے کہ سچائی کو کوئی فنا نہیں کر سکتا سچائی کی جیت ہے۔ تقویم ہجری اس بات کا عالمگیر اعلان ہے اور ابدی اعلان ہے کہ آخر میں فتح سچائی کی ہوتی ہے "العاقبۃ للمتقین" جس کو قرآن اپنے معجزانہ الفاظ میں کہتا ہے کہ انجام ان ہی لوگوں کا ہے جو خدا سے ڈرنے والے ہیں، بس میں سمجھتا ہوں کہ اس ملک کی نجات بھی اسی میں ہے کہ ہم سچائی کا راستہ اختیار کریں ہم سچے خدا پرست بھی ہیں اور سچے محب وطن بھی ہیں اور ان دونوں میں میرے نزدیک تضاد نہیں اور مسلمانوں کے جو قافلے یہاں آئے اور جن کے لئے اس ملک نے اپنی آغوش وا کر دی، اپنی گود پھیلا دی ان کو اپنے سینے سے لگایا۔ انھوں نے اس حقیقت کو باطل قرار دیا کہ خدا پرستی اور وطن دوستی میں کوئی بیر ہے یہ وطن پرستی نہیں کہوں گا کیونکہ وہ نہیں کہہ رہا ہوں پرستش

(بقیہ صفحہ [illegible] پر)

ادبِ اسلامی

بین الاقوامی سیمنار

۱۷-۱۹ اپریل سنہ ۱۹۸۱ء
مطابق ۱۱-۱۳ جمادی الاخری سنہ ۱۴۰۱ھ
دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ہم آپ کی توجہ اس امر کی جانب مبذول کرانا چاہتے ہیں کہ ادب اور بالخصوص ادب عربی کے ذخیرہ کا نئے سرے سے جائزہ لینے پھر سے اس کا مطالعہ کرنے اور نئے انداز سے پیش کرنے کی ضرورت ہے، کیونکہ ہر قوم کے ادب کی طرح ادب عربی بھی ابتلاء و آزمائش کے دور سے گذرتا رہا ہے، ابتلاء و آزمائش کا یہ مرحلہ تقریباً فطری ہے اور اس سے ہر زبان و ادب کو گذرنا پڑا ہے، البتہ اس کی مدت میں کمی بیشی ہوتی رہی ہے، کسی قوم کے ادب میں آزمائش کا دور طویل ہوا ہے تو کسی کا مختصر، دراصل اس کا تعلق معاشرتی حالات، سیاسی عوامل و محرکات اور اصلاح و تجدید کی تحریکوں سے ہے، جہاں یہ چیزیں پورے طور پر میسر آگئیں وہاں آزمائش کا دور مختصر ہو گیا اور جہاں یہ چیزیں میسر نہ آئیں یا کم آئیں اس ادب اور قوم کی آزمائش اور زبوں حالی کا دور طویل ہو گیا۔

کسی بھی ادب کی آزمائش اور ابتلاء یہ ہے کہ اس پر ایسے لوگ حاوی ہو جائیں جو ادب کو بطور فن اور پیشہ کے اپناتے ہیں اور اس کو صرف اپنے ساتھ مخصوص و محدود بنا لیتے ہیں اور اس کو بنانے سنوارنے اور عبارت آرائی کرنے میں ایک دوسرے سے بازی لے جانا چاہتے ہیں کہ اس طرح کمال و عبارت کا سکہ جما کر اپنی مقصد براری کریں۔ یہ صورت حال روز بروز ترقی کرتی جاتی ہے یہاں تک کہ ادب صرف ان افراد کی میراث بن کر رہ جاتا ہے اور ایک ایسا وقت آتا ہے کہ ادب کا تصور ان ہی کے نگارشات علم تک محدود ہو کر رہ جاتا ہے جو محض صنعت و فنکاری اور تقلیدی ادب کا مجموعہ ہوتا ہے، اس کے اندر زور ہوتا ہے نہ روح، جدت و ندرت ہوتی ہے اور نہ دلچسپی کا کوئی سامان۔

یہ مصنوعی اور تقلیدی ادب اس فطری رواں اور سلیس ادب اور اس کی بلیغ تعبیرات پر، جن پر انسان جھوم اٹھے اور اس کے ذہن و فکر کے اندر وسعت پیدا ہو جو اندھی تقلید سے روکے اور انسان کے اندر خود اعتمادی پیدا کرے۔ وہ ادب جس سے اس قوم کا کتب خانہ بھرا پڑا ہے اس ادب پر یہ تقلیدی اور مصنوعی ادب چھا جاتا ہے، حالانکہ اس رواں اور سلیس ادب میں اس کے سوا اور کوئی عیب یا نقص نہیں ہوتا ہے کہ وہ ان افراد کے قلم سے نکلا ہوتا ہے جنھوں نے ادیبوں کی وردی نہیں پہنی اور انھوں نے ادب و انشاء کو پیشہ یا ذریعہ معاش نہیں بنایا اور انکے دلکش و دلنواز ادبی خوش بیانیوں کو کسی ادبی عنوان سے موسوم نہیں کیا گیا ہوتا ہے اور نہ اس کا ادب کے سیاق میں ذکر کیا گیا ہوتا ہے بلکہ کسی دینی بحث علمی و فکری کتاب اور فلسفیانہ یا معاشرتی موضوع کے تحت ذکر آیا ہوتا ہے۔ یہ سب ادبی شہ پارے دینی و اخلاقی اور علمی کتابوں کے انبار میں دبے ہوئے ہیں۔ تقلیدی ادب نے عُجب و نخوت کی بنا پر اسے اپنی صف میں جگہ نہیں دی اور مورخین ادب نے اپنی فکر و نظر کی کوتاہی کے سبب ادھر توجہ نہیں کی اور نہ اسے وہ مقام دیا جس کے وہ شہ پارے بجا طور پر مستحق تھے۔

یہ فطری، دلآویز اور طاقتور ادب عربی کے معمور کتب خانہ میں بہت ہے اور اس کی تاریخ مصنوعی و تقلیدی ادب سے پرانی ہے، کیونکہ خطوط و رسائل اور قصہ کہانیوں کے اندر تقلیدی ادب کے مدون ہونے سے پہلے حدیث و سیرت کی کتابوں میں یہ فطری اور طاقتور ادب مدون ہو چکا تھا، لیکن ادب کے مورخین اور تحقیق و ریسرچ کا کام کرنے والوں نے جتنی توجہ تقلیدی ادب پر صرف کی اتنی اس قدیم اور فطری ادب پر نہیں کی، حالانکہ اسی قدیم اور فطری ادب سے عربی زبان کی صلاحیت و برتری اور اس کی گیرائی و گہرائی ظاہر ہوتی ہے، اور اہل زبان کا کمال فن، ملکہ اور زبان پر ان کی قدرت کا اندازہ ہوتا ہے اور درحقیقت وہی ادب کا پہلا اور اصل مدرسہ ہے۔

ان کی دینی اور علمی تحریروں کی برتری کا سحر انگیزی، قوت اور دلآویزی کا راز صرف اس حقیقت میں مضمر نہیں ہے کہ یہ سجع اور محاسن بدیع کی قیود سے پاک ہیں، سلیس اور رواں ہیں بلکہ اس کا بڑا سبب یہ ہے کہ ان تحریروں کا باعث و محرک عقیدہ اور جذبۂ دل ہے۔ یہ تحریریں ایک مسئلہ پر مکمل اطمینان قلب ہو جانے کے بعد، پورے جوش اور لگن کے ساتھ لکھی گئی ہیں ان کے برعکس جو تحریریں صرف مظاہرہ ادب کے لئے لکھی گئی ہیں، وہ کسی بادشاہ و وزیر یا دوست کی فرمائش پر لکھی گئی ہیں، یا اپنے ادبی ذوق کی تسکین یا معاشرہ کو کسی خواہش کی تکمیل یا حصول شہرت اور اپنی برتری و تفوق کا سکہ جمانے کی غرض سے لکھی گئی ہیں، ظاہر ہے کہ یہ سارے محرکات سطحی ہیں، ان کے اندر یہ صلاحیت کہاں کہ کسی تحریر کے اندر قوت اور روح پیدا کر سکیں یا اس کو زندۂ جاوید بنا سکیں، اسی مصنوعی ادب اور دل و عقیدہ کی زبان سے نکلنے والی تحریروں کے درمیان وہی فرق ہے جو انسان اور اس کی تصویر کے درمیان ہوتا ہے یا کرائے پر رونے والی اور اس چوٹ کھائی ہوئی ماں کے درمیان ہوتا ہے جس کا اپنا بچہ موت کا شکار ہو گیا ہو، یہ پیشہ ور ادیب اپنی تحریروں میں ان بہروپیوں کے مشابہ نظر آتے ہیں جو کبھی بادشاہوں کا رول ادا کرتے ہیں، جو شاہانہ جاہ و جلال کا نقشہ پیش کرتے ہیں اور کبھی فقیروں کا کردار ادا کرتے ہیں تو فقیروں کا لباس پہن لیتے ہیں۔ کبھی کسی قسمت کے دھنی کا پارٹ ادا کرتے ہیں اور کبھی کسی قسمت کے مارے کا۔ لیکن نہ تو سعادت و خوش بختی کا سایہ ان کو نصیب ہوتا ہے اور نہ فقر و فاقہ اور بدبختی کی آنچ ان تک پہونچتی ہے۔ وہ کبھی کسی غمزدہ کے غم کی کسک محسوس کئے بغیر اس کے غم میں شریک ہوتے ہیں اور کبھی کسی خوش نصیب کی مسرتوں کے احساس مسرت میں شرکت کے بغیر اس کو مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

میں ادب کی قدیم کتابوں کی جو رسائل و قصہ کہانیوں نیز دیگر اصناف پر مشتمل ہیں تحقیر نہیں کر رہا ہوں اور نہ ہی زبان و ادب اور ان کی فنی قدر و قیمت کو گھٹا رہا ہوں۔ میرا خیال یہ ہے کہ ادب اور زبان کے مختلف مراحل میں یہ ایک فطری مرحلہ ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ میرا خیال یہ ہے کہ ادب صرف یہی نہیں ہے اور نہ یہ ہمارے ادب عالی کی صحیح نمائندگی کرتا ہے جو دنیا کا بہت وسیع اور بڑا دلآویز ادب ہے بلکہ ان کتابوں نے تحریر و نگارش کی فطری صلاحیتوں اور وہبی قوتوں کو بڑا نقصان پہونچایا ہے، ان کی وجہ سے عربی زبان کی صلاحیت پر حرف آیا ہے، انھوں نے فکر و ذہن کے اندر وسعت پیدا ہونے اور حقیقت و خیال کی دنیا میں پرواز کرنے سے باز رکھا ہے۔ اس عظیم قوم کی جو بے مثل زبان و ادب عالی حامل ہے، اس کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ بن گئی، لہٰذا ہمارے لئے بہتر یہ ہے کہ ہم ادب [illegible] کی صف میں اسے وہی مقام دیں جس کا وہ مستحق ہے اور اس پر وہ توجہ صرف کریں جو اس کا حق ہے اور از سر نو عربی ذخیرہ کتب کو کھنگالیں اور اپنے نونہالوں اور نئی نسل کے سامنے قدیم کتابوں سے ادب کے نئے نمونے پیش کریں تاکہ وہ اس زبان کی چاشنی اور حلاوت سے لطف اٹھائے اس کا نشوونما اس طرح ہو کہ وہ صحیح اور بلیغ اسلوب میں ادا ما فی الضمیر پر قادر ہو، ساتھ ہی ساتھ اس وسیع کتب خانہ سے آگاہ ہو اور اس سے استفادہ کر سکے۔

روز اول سے ہی ندوۃ العلماء کے پیش نظر یہ کام رہا ہے اور اس نے اس کا خاص اہتمام کیا، اسکے ثبوت میں ندوۃ العلماء کے کارکنوں اور فضلاء کی تحریری کاوشیں پیش کی جا سکتی ہیں جو ادب، تنقید، تاریخ، ادب اور نصوص کے شروح و بیان کے سلسلے میں ہیں۔ اس طرح اس کے ذریعہ ایک خاص مکتب فکر وجود میں آیا ہے۔ اس مکتب فکر کے اثرات و نتائج گذشتہ اسی برسوں میں خاص طور پر اردو زبان میں ظاہر ہوئے ہیں جو برصغیر ہند کے مسلمانوں کی زبان ہے۔ علاوہ ازیں ندوہ کے ادباء جو عربی سے اشتغال رکھتے ہیں اور اس میں تصنیف و تالیف کا کام کرتے ہیں ان کی کتابوں اور تحریروں میں بھی اس کی چھاپ نمایاں طور سے نظر آئے گی۔

ہم اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور اس کا شکر ادا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ان ادبی مفاہیم کا جائزہ لینے اور اس پر غور و فکر کرنے کے لئے عالمی پیمانہ پر ایک سیمنار منعقد کرنے کی توفیق دے، جس میں ہم ادب کے ان تمام پہلوؤں کا جائزہ لیں گے جو ادب کے اسلامی مفہوم سے ہم آہنگ ہیں، سیمنار کے اندر دوسری اسلامی اور نیم اسلامی زبانوں کے مقابلہ میں عربی ادب [illegible]

حقیقتِ صلیب

(قرآن، انجیل اور عقل کی روشنی میں)

از: مولانا عبدالکریم پاریکھ

"وقولهم انا قتلنا المسيح عيسى ابن مريم رسول الله ج وما قتلوه وما صلبوه ولكن شبه لهم وان الذين اختلفوا فيه لفي شك منه ط ما لهم به من علم الا اتباع الظن ج وما قتلوه يقينا ه بل رفعه الله اليه ط وكان الله عزيزا حكيما ه"
سورۃ النساء آیت ۱۵۷، ۱۵۸

(اور ان کا یہ جھوٹا دعوی کہ ہم نے قتل کر ڈالا مریم کے بیٹے عیسیٰ کو جو اللہ کا نبی تھا، نہ تو وہ اس کو قتل کر سکے اور نہ سولی پر چڑھا سکے، لیکن ان کے آگے عیسیٰؑ کی صورت بن گئی یعنی کا ان کو شبہ پڑ گیا، اور جو لوگ اس بارے میں کئی کئی باتیں اختلاف کی کرتے ہیں وہ سب شک و شبہ کی باتیں ہیں، اس بات کا ان کو کوئی علم اور صحیح خبر نہیں۔ بس اٹکل اور گمان پر چل نکلے ہیں اور یقینی بات ہے کہ وہ لوگ عیسیٰؑ کو ہرگز قتل نہیں کر سکے۔ بلکہ اللہ نے عیسیٰؑ کو اپنی طرف بلندی پر اٹھا لیا اور اللہ تو بڑا غالب اور حکمت والا ہے)

حضرت عیسیٰؑ حضرت مریم علیہا السلام کے بیٹے ہیں۔ بن باپ کے صرف اللہ کے حکم سے اپنی ماں کے پیٹ میں رہے۔ پیدائش کے وقت ظاہر ہے کہ اس زمانے میں چرچا ہوا ہوگا، اللہ نے ان کو ماں کی گود سے ہی گفتار کی طاقت عطا کر دی تھی، اور اسی طرح سے بہت سے نورانی معجزات تھے جن سے ثابت ہو گیا تھا کہ یہ بچہ اللہ کی طرف سے کوئی خاص الخاص اور اہم آدمی ہوگا۔ جب تک بچپن کا زمانہ تھا ادب و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے رہے، لیکن جب اللہ کا دین حق لوگوں کو بتانا شروع کیا اور شرک و بدعات سے منع کیا تو پیٹ کے پجاری یہودی عالم اور سرمایہ دار اور جاہل عوام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف ہو گئے، اس زمانے میں یہودی قوم غلام تھی رومی قوم کی، یہود نے رومی عدالت میں اپنے ہی قوم کے ایک نوجوان عیسیٰؑ پر مقدمہ دائر کیا اور حکومت سے یہ مطالبہ کیا کہ عیسیٰؑ کو پھانسی کی سزا دی جائے کہ اس نے ہمارے مذہبی عقائد کی توہین کی ہے اور حکومت وقت کے قانون کو بھی عیسیٰؑ نے توڑا ہے۔

وقت کے حاکموں نے تو پہلے بہت بچنے کی کوشش کی، لیکن یہودی قوم نے ایسے ہنگامے کئے کہ بلوے اور بغاوت کا خطرہ رومی حکومت کو ہونے لگا اور اس نے مجبور ہو کر اپنی سلطنت کو یہودی بغاوت سے محفوظ رکھنے کے لئے عیسیٰ علیہ السلام کو پھانسی کا حکم سنا دیا، لیکن حکومت نے خود پھانسی پر نہیں چڑھایا اس لئے کہ رومی حکومت اس بے گناہ کا خون نہیں کرنا چاہتی تھی۔ بلکہ یہودی لوگوں کی یلغار کی وجہ سے مجبور ہو کر ان کو اختیار دیا کہ تم خود ہی اپنی قوم کے اس نوجوان کو سولی پر چڑھا سکتے ہو۔

اس طرح رومی حکومت اپنی ماتحت یہودی رعایا کو عیسیٰ مسیح کو پھانسی دینے کی اجازت کی مجرم بنی، عدالتی کارروائی میں یہودی لوگ بڑی جلدی کر رہے تھے کہ کسی طرح مسیح عیسیٰ ابن مریم کے قتل کا جلدی جلدی پروانا انھیں مل جائے۔

جمعہ کا دن تھا، عصر کے وقت عدالت برخواست ہوئی اور دوسرے دن سنیچر (یوم السبت) پڑتا تھا اور یہودی شریعت میں سنیچر کے دن کسی کو سزا نہیں دی جا سکتی تھی، اور جمعہ کا دن ڈھلنے لگا تھا، جمعہ کی شام سے ہی سنیچر کا دن ان کی شریعت میں شروع ہو جاتا، اس لئے یہود کو بڑی جلدی تھی کہ جس طرح بن پڑے سورج غروب ہونے کے پہلے عیسیٰ کو پھانسی پر لٹکا دیا جائے اور یہ خطرہ بھی یہود کو لگا تھا کہ رومی حکومت کہیں یہ سزا منسوخ نہ کر دے، اس لئے کسی طرح بھی دیر کرنے کو یہ لوگ تیار نہ تھے۔

سزائے موت کے لئے اس زمانے میں صلیب کا رواج تھا جو انگریزی کے حرف T کی طرح ہوتی تھی اور اس صلیب کو خود مجرم سے اٹھوایا جاتا تھا۔ حضرت عیسیٰ بہت دنوں کے بھوکے پیاسے تھے اور بہت لاغر و کمزور ہو گئے تھے، اس لئے صلیب اٹھا کر جلدی جلدی چلنا ان کے لئے ممکن نہیں تھا۔ ادھر یہودی بھیڑ جو ہزاروں کی تعداد میں تھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بے ادبی کرتی جاتی اور خلاف نعرے لگاتی، ایسے موقعہ پر حضرت عیسیٰ کی صلیب اسی بھیڑ کے ایک آدمی شمعون کرینی نام کے ایک شخص کو دی گئی کہ کسی طرح جلدی جلدی پھانسی گھر کے پھاٹک تک پہنچا جا سکے، اسی گڑبڑ اور ہڑبونگ میں یہودی بھیڑ نے جلد بازی میں شمعون کرینی نام کے آدمی کو جو صلیب اٹھائے چل رہا تھا، اور بھیڑ تو صرف صلیب کو دیکھ رہی تھی، چنانچہ لوگ صلیب والے آدمی کو لات مکی مارنا اور گالیاں دینا شروع کر دیئے ادھر شمعون کرینی بہت کچھ چلایا کہ میں عیسیٰ نہیں ہوں، مگر وہاں اس کی کون سنتا تھا کثیر مجمع کی وجہ سے دھول مٹی خوب اڑ رہی تھی، نعرے بازی کے شور شرابے سے بھیانک ماحول بن گیا تھا۔ اور اس دھکم دھکا میں مجمع کی بھیڑ ابلتی پھسلتی دوڑی جا رہی تھی، پھر شام کا اندھیرا بھی ہو چلا تھا اور اس گڑبڑ میں باوجود چیخنے چلانے کے شمعون کرینی نامی شخص کو عجلت میں پھانسی پر چڑھا دیا گیا۔

یہ بات انجیل کی کتاب لوقا باب ۲۳ آیت ۲۶ اور انجیل کی کتاب مرقس باب ۱۵ آیت ۲۱ میں موجود ہے (ہم نے شمعون کرینی کا نام انجیل سے نقل کیا ہے)۔

حضرت عیسیٰ ابن مریم بھیڑ کے ہاتھوں سے محفوظ ہو گئے اور اللہ نے انھیں اپنی طرف اٹھا لیا اور یہودی لوگوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کے بجائے اپنے ہی ایک بدبختی کو سولی دے دی اور خوش ہو گئے کہ کام تمام ہوا، اور منہ اندھیرے سے بھیانک رات طاری ہونے تک یہ بھیڑ اپنے اپنے گھر بمشکل واپس ہوئی اور راتوں رات کسی کو اصل واقعہ کا کچھ پتہ ہی نہ چلا۔

اور ایک بات یہ بھی یاد رہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے پاس جو معجزات اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ تھے اس میں ایک یہ بھی تھا کہ وہ اپنی صورت بدل لیتے تھے جیسا کہ انجیل میں آیا ہے۔ لوقا باب ۹، آیت ۲۹، مرقس باب ۹ آیت ۲، متی باب ۱۷، آیت ۱ و ۲۔

ہو سکتا ہے حضرت عیسیٰؑ نے اس موقعہ پر خود ایسی صورت بدل لی ہو اور صلیب اٹھانے والا گرد و غبار میں الٹا پٹا سولی پر لٹکا دیا گیا ہو۔ بھیڑ کے ہزاروں لوگ صلیب کو دیکھ رہے تھے، صلیب اٹھانے والے پر ان کی نظر کیسے پڑ سکتی تھی۔

اب ان باتوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بغیر سند اور مشاہدے کے ہڑبونگ والی بھیڑ کی باتیں صدیوں سے بڑھا چڑھا کر بولنے بتانے کے بجائے خود اللہ رب العزت جو قرآن کا نازل کرنے والا ہے اس کی بات اور قول فیصل پر ایمان کیوں نہ لایا جائے تاکہ جھگڑا ہی ختم ہو جائے، آج کی مسیحی دنیا میں خود بہت سے عیسائی مصنف اور دانشور اب بھی پائے جاتے ہیں جو مسیح علیہ السلام کے سولی کے قائل نہیں۔ اللہ اللہ کیا شان ہے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی کہ باوجود امی ہونے کے (یعنی بغیر پڑھے لکھے) بھی ان باتوں سے پردہ اٹھایا جو کروڑوں لوگوں کو شک میں مبتلا کئے ہوئے تھیں۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ بڑے ہی فریب میں ہیں جو مانتے ہیں کہ عیسیٰؑ کو سولی دی گئی، بلکہ اصل حقیقت قرآن سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ اللہ نے ان کو اپنی طرف بلند مقام میں رفعت عطا فرمائی اور واقعی یہی حضرت عیسیٰ جیسے روح اللہ کی فضیلت ہونی چاہیئے، پھانسی تو لاکھوں انسانوں کو ہوئی ہے اور آج بھی ہوتی جا رہی ہے اور صلیب پر آج تک ہزاروں ہیں لاکھوں لٹکائے گئے اس میں کیا کمال ہوا، اصل کمال تو یہ ہے کہ کسی کو آسمان کی بلندیوں پر اللہ تعالیٰ اٹھا لیوے تو یہ بڑی زبردست فضیلت ہے معلوم ہوا کہ پھانسی یا صلیب پر چڑھانے کے عقیدے سے توہین لازم آتی ہے جبکہ آسمان پر اٹھائے جانے کا عقیدہ ہر طرح اللہ کے نبی کی عظمت اور بلند مرتبہ کا نشان ہے اور اللہ کی غیر معمولی قوت قاہرہ کا ظہور بھی۔

● ●

اخبارات سے

مسلم یونیورسٹی کا حادثہ

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے غیر معینہ مدت تک بند کیے جانے پر ملک کے اخبارات نے اداریے لکھے ہیں ذیل میں ہم چند کے اقتباسات نذر قارئین کرتے ہیں۔

مسلم یونیورسٹی کا نیا بحران ہمارے تحمل کی آزمائش:

پروفیسر عرفان حبیب جو عرصہ سے اپنے رویہ کی وجہ سے اور نظریاتی طور پر بھی طلباء میں خفگی کا سبب بنے ہوئے تھے اخبار میں بیان شائع کرکے ایسی دھماکہ خیز صورت پیدا کردی جس کا نتیجہ ۱۸ر جنوری سے مسلسل ان کو معطل کئے جانے کی مانگ شروع ہوگئی اور وائس چانسلر کو اس پر مجبور کیا جانے لگا کہ وہ فوراً کارروائی کریں۔ اس درمیان ڈاکٹر عبد السلام کے کونشن میں ترانہ کا نہ پڑھا جانا مزید خفگی کا سبب بنا۔ یہی نہیں اسٹوڈنٹ فیڈریشن کا جلسہ آرٹس فیکلٹی میں پرو وائس چانسلر کی واضح ہدایت کے باوجود ہوا۔ ان ساری باتوں نے وائس چانسلر کو ایسی جگہ پہنچا دیا جہاں یا تو ہر بات میں وہ طلبا کے سامنے جھک جاتے یا پھر ان کے ہر مطالبے کو مانتے چلے جاتے۔ کسی با اصول آدمی کی اس سے بڑی کوئی آزمائش نہیں ہوتی جب اسے اپنے کردار کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔

شہر کے ذمہ داروں، اولڈ بوائز کے ممتاز ترین لوگوں نے طلباء کو سمجھانے کی کوشش کی اور عرفان حبیب صاحب سے بھی بات کی۔ یہاں تک کہ عبد الرحمان خان شیروانی سابق ٹریزرر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے پروفیسر عرفان حبیب کے قدموں پر اپنی ٹوپی رکھ دی لیکن انھوں نے اپنا رویہ تبدیل نہ کیا۔

طلباء جو عام طور پر ایسے موقعوں پر جذبات اور احساسات کا ایسا مرقع ہوتے ہیں کہ اپنی بات قوت سے منوانا چاہتے ہیں اور بہت آگے نکل جاتے ہیں۔ ایسے موقع پر ہوشیار لوگ ایسی حرکتیں کر گذرتے ہیں جو سب ان کے حساب میں چلی جاتی ہیں جو روایات معلوم ہوئی ہیں وہ بہت افسوسناک ہیں اور ہرگز ان طلباء کے شایان شان نہیں کہی جاسکتیں خواہ وہ کتنا ہی حق پر ہوں۔ بعض وقت بزرگوں اور مخلصین کی بات اس لئے بھی مان لی جاتی ہے کہ بڑوں کی بزرگی کا لحاظ ہوتا ہے اور اس سلسلہ میں جذبات کی بڑی سے بڑی قربانی دی جاتی ہے لیکن کچھ عرصہ سے نوجوانوں میں قیادت کا جو جذبہ پیدا کیا جارہا ہے اس نے ان کو ایسے مقام پر لاکر کھڑا کردیا ہے کہ وہ اپنے بڑوں کو حقیر سمجھنے لگے ہیں اور جس پر وہ اڑ جائیں اسی کو صحیح سمجھتے ہیں لیکن یہ سب میں نہیں ہوتا ایک بہت ہی محدود طبقہ ان نوجوانوں کا ضرور ہوتا ہے جس کے اپنے مفادات ہوتے ہیں اور وہ اس موقع کو اپنی قیادت اور شہرت کے لئے استعمال کرتا ہے۔

ملک کے موجودہ حالات کا تقاضا ہے کہ کوئی قدم اٹھانے سے پہلے یہ دیکھنا ہوگا کہ اس کے نتائج کس حد تک ان کے حق میں ہوں گے۔ مسلم یونیورسٹی ملت کی امانت ہے اور ہر ایک پر اسی کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کی حفاظت کرے۔ سُنی سنائی باتوں پر یقین کرنے سے پہلے صحیح حقائق معلوم کئے جائیں اس کے بعد رائے قائم کی جائے، محض جذباتیت کا مظاہرہ کیا گیا تو کوئی سنجیدہ ذمہ دار اور مخلص آدمی خدمت کے لئے سامنے نہیں آئے گا۔

(ندائے ملت لکھنؤ)

ماحول درست کرو:

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کو بند کردینا اور ۲۰۱ طلبہ کو گرفتار کرکے باقی سب طلبہ کو پولیس کے زور سے واپس بھیجنے کی کارروائی لوگوں کے سامنے ہے لیکن یہ بات انتہائی اچھی ہے کہ ایک دو مسلمان عبقریوں کے علاوہ مسلمانوں کی سب ہی تنظیموں اور افراد نے اس اقدام کو غلط قرار دیا اور یہی سبب ہے کہ حکومت کو ۲۰۱ طلبہ کو رہا کرنا پڑا نیز باقی طلبہ کی گرفتاری بھی ایک مہمل سی چیز نظر آرہی ہے جس پر حکومت کو جلد ہی اپنی غلطی کا احساس ہوجائے گا۔

ابھی ۸ر فروری کو مسلم یونیورسٹی ایکشن کمیٹی کا اجلاس یونیورسٹی ایکٹ پر غور کرنے کے لئے منعقد ہوا تھا اس میں ایکٹ کے سلسلے میں کچھ ضروری ترمیمات منظور کی گئیں لیکن اسی کے ساتھ یونیورسٹی کے بند کرنے اور طلباء کو رہا کرنے کے سلسلے میں بھی ایک تجویز منظور کی گئی ہے اور یہ طے کیا گیا ہے کہ ۱۳ر فروری کو ایکشن کمیٹی کا ایک وفد علی گڑھ جاکر طلبہ اور انتظامیہ کی درمیانی خلیج کو پاٹنے کی فکر کرے گا۔ کمیٹی نے ایک جج کے تقرر کا بھی خیر مقدم کیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یونین کے طلباء نے ایسے نازک مواقع پر اپنے طلبہ کو توڑ پھوڑ سے بچنے اور خاموشی سے چلے جانے کی جو ہدایت کی اسکی داد مسلم یونیورسٹی کے طلباء کو دینی پڑے گی ورنہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اور انتظامیہ کی یہ مجال نہیں تھی کہ وہ مشتعل طلبہ کو وہاں سے نکال سکتی۔ ضلع مجسٹریٹ نے اس کی داد اپنے آپ کو دی ہے کہ اس نے تخریب کے بغیر لڑکوں کو ہوسٹلوں سے نکال دیا حالانکہ اس کی داد یونین کے طلبہ کو دینی چاہیئے تھی جس نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی شریفانہ روایات کو باقی رکھا اور جس اشتعال میں ضلعی حکام اور انتظامیہ نے مل کر کوئی فیصلہ کیا تھا اسکے بالمقابل تحمل و بردباری کا ثبوت دیا۔

افسوس ہیکہ اب تک انتظامیہ خوفزدگی میں مبتلا ہے اور اسی لئے اس نے لائبریری اور ریسرچ کا کام کرنے والوں کے لئے اپنے دروازے بند کر رکھے ہیں۔ لیکن ایکشن کمیٹی کے وفد کے آنے سے امید ہے کہ یہ مرعوبیت ختم ہوگی اور طلبہ اور وائس چانسلر کے تعلقات میں بہتری پیدا ہوسکے گی۔

مسلم یونیورسٹی کے اقلیتی کردار کی حفاظت کے لئے مسلمانان ہند نے بڑی حد تک اپنی بات منوالی ہے لیکن خود یونیورسٹی کے داخلی معاملات میں بھی اس کا مظاہرہ ضروری ہے کہ اس کے اساتذہ اور انتظامیہ طلبہ کے سامنے اسلامی اخلاق و کردار کا ثبوت پیش کریں اور شاید اسی کام کا ایک عرصہ دراز سے فقدان پایا جاتا ہے۔ طلبہ کو الزام دے لینا محض اپنے سر سے ایک الزام دھو لینے کی بات ہے ورنہ وہاں کے بہت سے اساتذہ جو گڑبڑ کرتے رہے ہیں وہ اپنی جگہ حد درجہ ناقابل گرفت ہے۔ اسی لئے یہ خیال بار بار ذہن میں آتا ہے کہ یونیورسٹی نے جو جج مقرر کیا ہے اسے صرف ایک پروفیسر کے متنازعہ بیان تک محدود نہ رکھا جائے بلکہ اس کے دائرۂ کار میں یہ بات بھی شامل ہو کہ یہ یونیورسٹی کس طرح داخلی اعتبار سے اسلام کا نمونہ پیش کرسکتی ہے۔ نیز اس کے آئندہ تقررات میں اسلامی رجحان کا کس طرح خیال رکھا جانا چاہئے اس وقت طلبہ نے ایک آواز بلند کی تھی جس میں کہیں کہیں کچھ غلطی کا بھی امکان ہے لیکن آئندہ یہ آواز پوری ملت کی طرف سے بلند ہونی چاہیئے۔ (روزنامہ "دعوت" دہلی)

مسلم یونیورسٹی کا مسئلہ:

رات کے سناٹے میں ۲۰۱ طالب علم رہنماؤں کی گرفتاری اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے دس ہزار سے زائد طلباء کو بسوں اور ٹرینوں کے ذریعہ ان کے وطن بھیج کر علی گڑھ کے ضلعی انتظامیہ نے جس فوجی حکمت عملی اور سُرعت کا مظاہرہ کیا ہے وہ یقیناً قابل ستائش ہوتا اگر یہ واضح ہوتا کہ صورت حال اس کے متقاضی تھی۔ ضلعی انتظامیہ نے وائس چانسلر سید حامد کے ایک پراسرار بیان کو اپنے فیصلے کی بنیاد بنایا ہے۔ اس بیان میں کہا گیا ہے کہ "حقیقت وہ نہیں ہے جو نظر آتی ہے"۔ اس بیان سے تو یہی واضح ہوتا ہے کہ حقائق انتظامیہ کے اقدام کا جواز نہیں فراہم کرتے۔ یہ تاثر عام ہے کہ حکام نے اپنے اقدام اور اس کے نتیجے میں کئے گئے عمل میں جلد بازی سے کام لیا ہے۔ اس کے نتیجہ میں ہزاروں شائستہ طلباء و طالبات کے جذبات مجروح ہوں گے۔ ایسی مثالیں تو ہیں جب انفرادی طور پر کچھ لوگوں نے بدسلیقگی اور غیر شائستگی کا مظاہرہ پچھلے آٹھ ہفتوں کے دوران کیا۔ (یہ ایسی صورت حال ہے جو شمالی ہندوستان کی کسی بھی یونیورسٹی میں عام ہے) لیکن اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ تشدد کا کوئی واقعہ ہوا یا تشدد کی راہ اختیار کرنے کا فیصلہ ہوا۔ یہ صحیح ہے کہ کیمپس میں اسلامی جذبات و میلانات کا اظہار ہوا لیکن دوسری یونیورسٹیوں میں بھی غیر تعلیمی موضوعات طلباء کی تحریکوں کا منظر بنتے رہتے ہیں۔ یہ بھی صحیح ہے کہ علی گڑھ میں جس بات پر ہنگامہ ہوا وہ تعلیمی موضوع نہیں تھا۔

اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں کہ مسلم یونیورسٹی کے ۱۸ ہزار طلباء میں سے اکثر

(بقیہ ص ۱۱ پر)

اعلامیہ تیسری اسلامی سربراہ کانفرنس

مکہ و طائف میں تیسری اسلامی سربراہ کانفرنس نے اپنے اختتامی اعلامیہ میں ایران اور عراق سے فوری طور پر جنگ بند کردینے کی اپیل کی ہے اس سلسلے میں کانفرنس نے جنگ بند کرانے کے لئے ایک اسلامی امن فورس کے قیام کا بھی فیصلہ کیا ہے علاوہ ازیں ایک آٹھ رکنی کمیٹی ثالثی کی کوشش کرے گی۔

سربراہ کانفرنس نے دونوں ملکوں سے اپیل کی ہے کہ وہ ثالثی کو قبول کرلیں۔ کانفرنس میں بیت المقدس کے لئے جہاد اور فلسطین و مقبوضہ عرب علاقوں کی بازیابی اور افغانستان کا اسلامی تشخص کی بحالی کا عہد، کیمپ ڈیوڈ سمجھوتہ مسترد کرنے، سپر پاوروں سے فوجی معاہدوں سے احتراز اور اڈے فراہم نہ کرنے کا عزم کیا گیا۔ علاوہ ازیں کانفرنس نے اسلامی عدالت انصاف کے قیام اور ٹریڈ ایکسچینج سنٹر، اسلامی میری ٹائم ٹرانسپورٹیشن یونین، تعلیم، سائنس اور ثقافت میں تعاون کا مشترکہ ادارہ قائم کرنے اور فقہ اکیڈمی کے علاوہ نائیجریا و یوگنڈا میں اسلامی جامعات کے قیام کا فیصلہ بھی کیا۔ کانفرنس میں یہ بھی طے پایا کہ آئندہ سربراہ کانفرنس ہر تین سال بعد منعقد ہوا کرے گی اور چوتھی کانفرنس مراکش میں ہوگی۔ کانفرنس نے اسلامی کانفرنس تنظیم کے پرچم کی تبدیلی کی منظوری بھی دے دی۔ اسلامی کانفرنس کے منشور پر نظر ثانی کا فیصلہ آئندہ وزرائے خارجہ کے اجلاس تک ملتوی کردیا گیا۔ اسی طرح حقوق انسانی کی دستاویز کی تیاری کے لئے تمام ممالک پر مشتمل ایک کمیشن بنادیا گیا جو آئندہ وزرائے خارجہ کانفرنس تک اپنی رپورٹ پیش کرے گا۔

۱۔ بیت المقدس: بیت المقدس کی آزادی اور اسے فلسطینی ریاست کا دار الحکومت بنانے کا عہد، اسرائیلی حیثیت کو کمزور کرنے کے لئے تمام اسلامی ممالک کے ذرائع بروئے کار لانا۔ ۲۔ فلسطین اور مشرق وسطیٰ: فلسطین اور مقبوضہ علاقے آزاد کرانے کا عہد۔ کیمپ ڈیوڈ سمجھوتہ مسترد کرنے کا اعلان، فلسطینیت کی حمایت کے لئے تمام سیاسی، مالی، اقتصادی وسائل کو جن میں تیل بھی شامل ہے بروئے کار لانا۔ ۳۔ افغانستان: افغانستان کی اسلامی حیثیت، غیر جانبداریت اور افغانستان کے وقار کی بحالی کے لئے کوششوں کو تیز کرنا اسلامی کمیٹی برائے افغانستان کو ہدایت کی گئی کہ وہ افغان بحران کے سیاسی حل کے لئے اقوام متحدہ کے سکریٹری جنرل سے تعاون کرے۔ ۴۔ اسلامی یکجہتی: اسلامی نظریہ کی بنیاد پر تمام رکن ممالک پر زور دیا گیا ہے کہ وہ اسلامی یکجہتی کو فروغ دیں۔ اقتصادی اور فنی میدانوں میں باہمی تعاون کو وسعت دیں۔ اور سپر پاوروں سے فوجی معاہدے کرنے اور انھیں اپنے ملکوں میں فوجی اڈے فراہم کرنے سے احتراز کیا جائے۔ ۵۔ بیت المقدس کیلئے جہاد: اسلامی سربراہان مملکت نے بیت المقدس کو بچانے اور فلسطینیوں کی تمام امداد کے لئے جہاد کے اعلان پر رضامندی ظاہر کردی۔ ۶۔ ایران عراق تنازعہ: دونوں ممالک سے کہا گیا کہ وہ فوری طور پر جنگ بند کردیں۔ تمام ممالک نے جنگ بندی پر عملدرآمد کے لئے ایک اسلامی فوج تشکیل دینے کا بھی فیصلہ کیا اس کے علاوہ ثالثی کے لئے پاکستان سمیت آٹھ رکنی کمیٹی تشکیل دی گئی۔ ۷۔ خشک سالی کا مسئلہ: ایک خصوصی وزارتی کمیٹی تشکیل دی گئی جس میں سعودی عرب، عراق، ملیشیا، فلسطین، متحدہ عرب امارات اور کویت شامل ہیں اس کے علاوہ اس کمیٹی میں خشک سالی سے متاثرہ ممالک کے جوائنٹ کمیشن کا ایک رکن شامل ہوگا۔ یہ کمیٹی خشک سالی سے متاثرہ ممالک کی امداد کے لئے پروگرام ترتیب دے گی۔ ۸۔ کمپوچیا، یوتی، جبرالٹر، مالی، مراکش کے لئے کمیٹی کی حمایت کا اعلان کیا گیا۔ ۔۔۔ اور فرانس سے کہا گیا کہ وہ اس مسئلہ کے حل کے لئے کوشش کرے۔ ۹۔ [illegible]

۱۰۔ اسلامی عدالت انصاف: [illegible]

۱۱۔ قرن افریقہ کا مسئلہ: قرن افریقہ کے مسلمانوں کی حمایت کا اعلان، مسئلہ کے حل اور تمام غیر ملکی فوجوں کی واپسی کا مطالبہ کیا گیا۔

۱۲۔ اجتماعات: فیصلہ کیا گیا کہ اسلامی سربراہ کانفرنس ہر تین سال بعد منعقد ہوا کرے گی۔

۱۳۔ سیکریٹری جنرل: سیکریٹری جنرل کے عہدہ کی مدت چار سال ہوگی اور اس میں توسیع نہیں کی جاسکے گی۔

۱۴۔ منشور: اسلامی کانفرنس کے منشور پر نظر ثانی کا مسئلہ اگلی وزرائے خارجہ کانفرنس تک کے لئے ملتوی کردیا گیا۔

۱۵۔ معیشت: کانفرنس نے اس سلسلے میں حسب ذیل فیصلے کئے:

* مسلم ممالک کے درمیان باہمی اقتصادی تعاون کے عملی پروگرام کی منظوری، مراکش میں اسلامی ٹریڈ ایکسچینج سنٹر کے قیام کا فیصلہ۔
* [illegible] کے بارے میں ایک کنونشن کی تیاری۔

۱۶۔ [illegible] میری ٹائم [illegible] یونین قائم کی جائے۔

۱۷۔ ترقی یافتہ اسلامی ممالک کی امداد: [illegible]

۱۸۔ ثقافتی اور سماجی امور: [illegible]

۱۹۔ [illegible]

۲۰۔ [illegible]

* [illegible]
* [illegible]

بقیہ ص ۔

کے قابل ایک ذات ہے وہی خدائے واحد خدا پرستی اور وطن دوستی میں کوئی تضاد نہیں ہے کسی قسم کی کوئی منافات نہیں ہے جو مسلمان یہاں آئے تھے انھوں نے یہاں اپنے فن تعمیر کے ذریعے، اپنی ادبیات کے ذریعے، اپنی تحقیقات کے ذریعے اپنی سچی حب الوطنی کے ذریعہ ملک کی حفاظت کے ذریعہ۔

آپ یاد کریں۔ اس وقت یہ نہ بھولیں ایک وقت ہمارے ملک کے لئے ایسا خطرناک آیا تھا، ساتویں صدی ہجری میں اور تیرہویں صدی عیسوی میں۔ جب تاتاری منگل بڑھ رہے تھے اور انھوں نے ترکستان اور ایران کو خاک سیاہ کرکے رکھ دیا تھا جب وہاں کی تہذیبوں کے چراغ گل کر دیتے تھے جب سیکڑوں ہزاروں برس کے کتب خانے انھوں نے دریا میں ڈال دیئے تھے اور وہاں کا پانی سیاہ ہوگیا تھا اس وقت یہ تاتاری ادھر بڑھ رہے تھے لیکن یہاں پر ترک حکمراں تھے انھوں نے ہندوستان کی حفاظت کی، ہندوستان کی تہذیب کی حفاظت کی، ہندوستان کے مستقبل کی حفاظت کی، ہمیں ممنون ہونا چاہیئے شکر گذار ہونا چاہیئے ان کا کہ جو قیامت گذری تھی ترکستان اور ایران پر اس قیامت کو انھوں نے دروازہ پر روک دیا۔ اس قیامت کو انھوں نے ہندوستان کے دروازہ پر روک لیا، یہ وہی ترکی النسل اسلام کے کلمہ گو فرماں روا تھے جنھوں نے وحشی تاتاریوں کو ہمارے اس سرسبز و شاداب ملک میں داخل ہونے نہیں دیا۔ جس میں ان الفاظ کے ساتھ آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

بقیہ ص۱: مسلم یونیورسٹی

کے بنیادی مفادات اسی نوعیت کے ہیں جو ہندوستان کی دیگر یونیورسٹی کے طلباء کی اکثریت کے ہیں۔ گرچہ مسائل مختلف ہوسکتے لیکن اسٹاف ممبروں میں بدنظمی، بدانتظامی اور سیاست صرف علی گڑھ تک ہی محدود نہیں ہے اور ان کی موجودگی پولیس کے اتنے بڑے اقدام کا جواز نہیں فراہم کرتی۔ یہ کہا جارہا ہے کہ یونیورسٹی میں جو ہنگامہ ہوا ہے اس کی بنیاد پارلیمنٹ کے اگلے اجلاس میں پیش کئے جانے والا مسلم یونیورسٹی کا ترمیمی بل ہے جو ایک حد تک یونیورسٹی کے اقلیتی کردار کو بحال کرتا ہے۔ مسلم یونیورسٹی کے مذہب پسند حلقے پر یہ الزام لگایا جارہا ہے کہ وہ بل پاس کئے جانے کے بعد یونیورسٹی کے نظم سے ترقی پسند افراد کو بے دخل کرنا چاہتا ہے۔ لیکن یونیورسٹی میں اس نقطۂ نظر کی وکالت کرنے والے اپنے الزامات کا خود شکار ہوسکتے ہیں، کیونکہ اس طرح کا اقدام احیاء پسند حلقے کو اور زیادہ مقبول بنائے اور اس حلقے کو وہ ہمدردی بھی حاصل ہوجائے جس کا یہ مستحق نہیں، اور جو اسے آسانی سے مل بھی نہیں سکتیں۔

(اسٹیٹسمین دہلی)

بقیہ ص۲: رشتوں کا پاس ولحاظ

باغات کے اعتبار سے ابو طلحہ سب سے زیادہ مال والے تھے، اور ان کے باغات میں ان کو بیرحا سب سے زیادہ پسند تھا، وہ مسجد نبویؐ کے سامنے ہی تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس میں تشریف لے جاتے اور اس کا عمدہ پانی نوش فرماتے جب یہ آیت اُتری۔

"لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ"

تو حضرت ابو طلحہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور عرض کیا اللہ کے نبی! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے " لن تنالوا البر حتیٰ تنفقوا مما تحبون " میرا سب سے محبوب مال بیرحا ہے وہ اللہ کے لئے صدقہ ہے، میں اللہ کے نزدیک اس کے نیکی اور ذخیرہ ہونے کی امید کرتا ہوں لہٰذا اے اللہ کے نبی! جہاں اللہ تعالیٰ کا حکم ہو وہاں آپ اس کو صرف فرمائیے۔ حضورؐ نے فرمایا، بہت خوب، یہ نفع بخش مال ہے میں نے تمہاری بات سُن لی، میرا خیال ہے کہ تم اس کو اپنے عزیزوں کو دے دو۔ حضرت ابو طلحہؓ نے کہا اللہ کے نبی میں یہی کروں گا۔ چنانچہ اپنے رشتہ داروں اور چچا کے بیٹوں میں تقسیم کردیا۔ (متفق علیہ)

حضرت سلمان بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مسکین پر صدقہ کرنا تو صدقہ ہے اور رشتہ دار پر صرف کرنے میں دوہرا اجر ہے۔ صدقہ اور صلہ رحمی۔ (ترمذی)

کوائف دار العلوم

عربی زبان قرآن پاک کی وجہ سے محفوظ ہے

حفظ قرآن اور تجوید کے جلسہ تقسیم انعامات میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی تقریر

۱۶ ربیع الاول ۱۴۰۱ھ (۲۲ جنوری ۱۹۸۱ء) کو مسجد دار العلوم ندوۃ العلماء میں حفظ قرآن اور تجوید کا جلسہ تقسیم انعامات مولانا ابوالحسن علی ندوی ناظم ندوۃ العلماء کی موجودگی میں بعد نماز مغرب منعقد ہوا، قاری ودود الحق صاحب ندوی رکن مجلس انتظامیہ نے تقسیم انعامات کئے اور آپ نے اپنی صدارتی تقریر میں قرآن مجید کو تجوید سے پڑھنے کی اہمیت پر زور دیا اور فرمایا کہ علماء کے لئے بہت ضروری ہے کہ وہ قرآن شریف کی تلاوت صحیح طریقہ سے کریں اس سے ان کو حصول علم میں مدد ملے گی نیز قرآن سمجھنے میں آسانی ہوگی اور قرآن مجید کو فنی طریقہ پر تلاوت کرنے پر زور دیا آپ نے مزید کہا کہ آجکل جو نقالی کا رواج چل پڑا ہے وہ غیر احسن طریقہ ہے اس سے قرآن کی خدمت کم ہوتی ہے نیز آپ نے تمام قرأتوں کو ملا کر پڑھنے اور لمبی لمبی سانسوں میں تلاوت کو فن تجوید کے اصولوں کے خلاف کہا اور اس کو سیدھے سادے انداز میں تلاوت کرنے پر زور دیا آپ نے اس موقع پر اپنے استاد خلیل عرب کے طرز تلاوت کے چند نمونے بھی پیش کئے۔

اس سے قبل مولانا ابوالحسن علی ندوی ناظم ندوۃ العلماء نے طلبہ کے سامنے ایک پُرجوش و دلپذیر تقریر کی اور طلبہ کو اس فن کے حصول کے لئے تشویق دلائی اور فرمایا قرآن پاک انسان کو سنوارنے اور بنانے کے لئے آیا ہے نہ کہ اس کو طاق میں رکھا جائے اور اس سے برکت حاصل کی جائے بلکہ قرآن کے احکام کو سنا جائے اور اس کے اوامر و نواہی پر عمل کیا جائے اور فرمایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس کچھ لوگ آئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں دریافت کیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا "کان خلقہ القرآن" (آپ کا اخلاق قرآن تھا، آپ کا مزاج قرآن پاک تھا، قرآن آپ کی طبیعت ثانیہ بن چکا تھا۔

آپ نے حفاظت قرآن کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ جب قرآن نازل ہوتا تھا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جلدی جلدی پڑھتے تھے کہ کہیں بھول نہ جائیں اور بہت فکرمند رہتے تھے جس کو قرآن نے خود ہی واضح کر دیا ہے "ان علینا جمعہ وقرآنہ فاذا قرأناہ فاتبع قرآنہ"۔

آپ نے اپنی تقریر میں تلاوت قرآن کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ قرآن پاک کو حدر کے ساتھ پڑھا کرو، مجھ سے جب کوئی قرآن سنانے کو کہتا ہے تو میں اس کو حدر میں سنانے کے لئے کہتا ہوں۔

آپ نے اپنی تقریر میں پُرزور الفاظ میں کہا کہ قرآن پاک نے عربی زبان کی حفاظت کی آج بھی وہی زبان بولی جاتی ہے جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بولی جاتی تھی ورنہ دوسری زبانوں کا حال دیکھئے اب کتنی بدل ہوئی ہیں آج اگر کوئی ربع صدی قبل کی کوئی زبان بولے تو اس کو دقیانوسی رجعت پسند سمجھا جائے گا اور اس کا شمار قدامت پسندوں میں ہوگا، فارسی زبان کو دیکھئے وہ الفاظ جو سعدیؒ نے استعمال کئے تھے وہ اب غریب بن گئے ہیں ان کو کوئی بولے تو وہ سمجھے نہ جائیں، علامہ اقبال نے خیابان کس معنی میں لیا ہے اور اب خیابان ویران سڑک کو کہتے ہیں لیکن عربی زبان ابھی تک نہیں بدلی یہ قرآن ہی کی رہین منت ہے۔

آپ نے طلبہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا، دیکھو تفسیر میں اتنا غلو نہ کرو کہ کہنے لگو کہ اگر یہ تفسیر نہ ہوتی تو قرآن کا سمجھنا دشوار تھا خود ہی غور کرو اور ترجمہ کرو بقیہ نحو و بلاغت کا بتانا استاد کا کام ہے۔

آپ نے طلبہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ حفظ قرآن کے کچھ مراتب ہیں، کچھ شرائط ہیں، اولیں شرط تو ایمان ہے ایمان اگر نہ ہوگا تو حفظ قرآن بہت مشکل ہے، ویسے قرآن کو غیر مسلم مستشرق بھی یاد کرتے ہیں لیکن ان کا نقطہ نظر دوسرا ہوتا ہے، دو مستشرقوں میں ایک مرتبہ بحث ہوئی کہ عربی میں ضمیر شان مؤنث نہیں آتی ہے دوسرے نے جو قرآن کا حافظ تھا دلیل دیتے ہوئے کہا کہ مؤنث آتی ہے "أفلم یسیروا فی الارض فتکون لھم قلوب یعقلون بھا وآذان یسمعون بھا فانھا لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور"۔ اور اتفاق سے یہ دونوں کے حسب حال تھی۔ دوسرے اس کا احترام ہے، اگر احترام نہ ہوگا تو اس کا محفوظ رہنا بھی دشوار ہے نیز اس سے مناسبت ہو اور جتنی مناسبت ہوگی اللہ تعالیٰ سے اتنی ہی محبت بڑھے گی۔

مولانا نے آخر میں فرمایا: میں یہ باتیں صرف حافظوں اور قاریوں سے نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ ہر طالب علم سے۔ ندوی کو قرآن کا اچھا پڑھنے والا ہونا ضروری ہے اور اللہ سے دعا ہے کہ وہ توفیق دے۔

حفظ اور تجوید کے مقابلے ۲۰ و ۲۱ جنوری کی شام کو بعد نماز مغرب بالترتیب منعقد ہوئے تھے حفظ کے مقابلوں میں مولانا بشیر حسین صاحب استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء، قاری الطاف صاحب لکھنؤ، حافظ حشمت اللہ صاحب انچارج شعبہ حفظ نے ممتحن کے فرائض انجام دیے اور صدارت مولانا برہان الدین صاحب سنبھلی استاذ حدیث دار العلوم ندوۃ العلماء نے کی، اور تجوید کے مقابلوں میں قاری محمد اسلام صاحب استاذ تجوید دار العلوم ندوۃ العلماء اور قاری محمد وسیم صاحب استاذ تجوید مدرسہ فرقانیہ نے ممتحن کے فرائض انجام دئے اور مولانا قاری ودود الحق صاحب ندوی نے صدارت کی۔

ان مقابلوں کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ اسکے انعامات نقدی شکل میں دیے گئے اور رقم کا بیشتر حصہ ڈاکٹر اقبال حسین صاحب اکبری گیٹ لکھنؤ نے دی تھی بقیہ دار العلوم ندوۃ العلماء نے۔

انعامات کی تفصیل درج ذیل ہے:-

مقابلہ قرأت

انعام اول:	اقتدار الاسلام	500/-
انعام دوم:	محمد علی اکبر	250/-
انعام سوم:	محمد طلحہ	125/-

بقیہ شریک مقابلہ طلبہ کو فی طالب علم بیس روپے کا انعام دیا گیا، اس میں مجموعی شرکاء کی تعداد بیس تھی۔

مقابلہ حفظ

انعام اول:	حبیب الرحمٰن	500/-
انعام دوم:	عبد اللہ گورکھپوری	250/-
انعام سوم:	آفتاب عالم	125/-

بقیہ شریک طلبہ کو فی طالب علم بیس روپے کا انعام دیا گیا۔ اس میں مجموعی تعداد دس تھی۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی بیرونی سفر پر

۳ فروری کی صبح کو بذریعہ ہوائی جہاز مولانا ابوالحسن علی ندوی بیرونی سفر پر روانہ ہوگئے، انکے ہمراہ مولانا محمد ثانی صاحب ندوی مدیر ماہنامہ "رضوان" ہیں۔

مولانا اس سفر میں رابطہ عالم اسلامی کے رسالۃ المساجد اور دیگر اہم جلسوں میں شرکت کریں گے، مدینہ منورہ اور ریاض بھی جائیں گے، اندازہ ہے کہ یہ سفر تقریباً ایک ماہ تک جاری رہے گا۔ اور مارچ کے پہلے عشرہ میں ہندوستان واپسی متوقع ہے۔

ششماہی امتحان

طلبہ امتحان ششماہی سے فارغ ہو کر اب دوبارہ اپنی تعلیم میں لگ گئے ہیں اور علمی و تعلیمی سرگرمیاں نیز النادی العربی کے جلسے اور ان کی انجمن "الاصلاح" کے ہفتہ وار پروگرام دوبارہ جاری ہوگئے ہیں ششماہی امتحان ۳ سے ۱۲ ربیع الثانی مطابق ۹ سے ۱۸ فروری تک ہوئے۔!!

جامعۃ الصالحات بھٹکل

محمود الازہار ندوی

مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے دسمبر میں جنوبی ہند کا دورہ کیا تھا اور اس میں بھٹکل بھی تشریف لے گئے تھے اور چند روز قیام فرمایا تھا۔ اس مرتبہ مولانا کی آمد جامعۃ الصالحات کی نئی عمارت کے سلسلہ میں ہوئی تھی۔ آپ نے بھٹکل کے چند روزہ قیام میں وہاں کی زندگی میں جان ڈال دی اور ان کو نشاط و دلچسپی عطا کی جسے وہ آنے والی زندگی میں توانائی حاصل کر سکتے ہیں اور اس کو مشعل راہ بنا سکتے ہیں۔

بھٹکل شمالی کنارہ کی ایک تحصیل ہے اور وہاں کی آبادی ۴۰ ہزار کے قریب ہے اور مسلمان ۶۰ فیصد سے ۷۰ فیصد ہیں۔ یہ علاقہ صوبائی تقسیم میں کرناٹک کا ایک حصہ ہے مگر بود و باش اور طرز زندگی کے لحاظ سے منفرد شان رکھتا ہے یہاں کے مسلمان شافعی المسلک ہیں اور بیرون ملک اور ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں تجارت کرتے ہیں اور سال دو سال میں ماہ دو ماہ کے لئے آتے ہیں۔ اس علاقہ کا ذکر تاریخوں میں بہت آتا ہے اور ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامہ میں بھی کیا ہے یہاں کے مسلمان نوائطی کہلاتے ہیں اور اس کی وجہ تسمیہ و تشریح میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے نایط، یا نالط، بنو النوائط نایت، نوایتہ، نوآمدہ، نووارد، نوائط وغیرہ مختلف ناموں سے یاد کرتے ہیں اور نضر بن کنانہ کے ایک فرزند جس کا نام نائط تھا اس کی طرف نسبت کرتے ہیں جو قریش سے متعلق ہے اور قریش نضر بن کنانہ بن مدرکہ بن الیاس کی اولاد ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جدی سلسلہ کے بزرگ ہیں۔ نوائطی ۹۰ھ میں عبد الملک بن مروان کے دور حکومت میں حجاج بن یوسف ثقفی کے ظلم و تشدد سے تنگ آکر وطن چھوڑنے پر مجبور ہوئے۔ اولاً تو کشتیوں پر سوار ہو کر سواحل ہند، کوکن، دیبل، چیول کھمبایت، بھروچ اور ظرافت بھمانی پر جہاں جہاں انھیں موقع ملا اتر پڑے اور مؤرخین اور یہاں کے باشندے ہندوستان میں عربوں کی پہلی آمد کے علاقوں میں سے ایک جگہ اس کو بھی قرار دیتے ہیں، دریا وسط شہر سے گذرتا ہے اور عربوں کی رسائی اس شہر تک اسی دریا کے ذریعہ ہوئی تھی، روایت کے مطابق جس جگہ پہلا قافلہ اترا تھا اس کو پتھروں کا ایک حصار بنا کر مخصوص کر دیا گیا ہے اور اسی کے قریب دریا کے

کنارے مسجد غوثیہ تعمیر کی گئی ہے جہاں نمازی نماز پنج وقتہ کے لئے وضو اس دریا سے کرتے ہیں۔

کتب تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ازمنہ وسطیٰ میں یہ علاقہ ٹیپو کے ماتحت تھا اور یہاں کے لوگ بعض مکانات بھی ٹیپو کے رشتہ داروں کی جانب منسوب کرتے اور اس علاقہ کو سلطانی محلہ اور وہاں کی مسجد کو سلطانی مسجد کہتے ہیں، لوگوں کا خیال ہے کہ ٹیپو اس علاقہ کو بطور چھاؤنی استعمال کرتا تھا اور قرب و جوار کے بلند اور محفوظ پہاڑیوں پر اس کی افواج مشق کرتی تھی، اس جگہ آجکل انجمن کالج آف آرٹس سائنس اور کامرس ہے، یہ مسلمانوں کا عصری تعلیم کا جدید کالج ہے نوائطی اپنا قریبی تعلق ٹیپو شہید سے جوڑتے ہیں اور ٹیپو کی دادی کو نائطی بتاتے ہیں۔

مگر سعادت اللہ خاں نواب آف ارکاٹ اور اس کی قریبی شاخ انوری کے انگریزوں سے گہری دوستی تھی اور نواب محمد علی والاجاہ کی انگریز دوستی اور ان پر غیر معمولی اعتماد سے جنوبی ہند ہی میں انگریزوں کو اپنے قدم جمانے کے مواقع ملے اور آخر وہ پورے ملک پر چھا گئے۔

نواب آف ارکاٹ جو بعد میں صرف اعزازی ہو کر رہ گیا تھا ان کے بعض کارناموں پر نوائطی بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں اور وہ ان کی تاریخ کا تابناک اور یادگار جذبے اس کا دین سے گہرا تعلق، مذہبی تعلیم کی طرف ان کا بڑھتا ہوا رجحان، اہل علم و فضل کی پرخلوص عزت و تکریم اہل اللہ و بزرگان دین سے ان کی عقیدت و احترام ان کی علمی و تعلیمی خدمات اور عوام کے ساتھ مساویانہ سلوک و برتاؤ ہیں۔

نوائطیوں نے اپنے بچوں کی دینی و دنیاوی تعلیم کے لئے مدرسہ اور کالج دونوں قائم کر رکھے ہیں۔ عصری تعلیم کے لئے انجمن کالج آف آرٹس سائنس اور کامرس ہے اور بچوں کے لئے عصری اور دینی دونوں تعلیم کے لئے مختلف علاقوں میں مکاتب قائم کر رکھے ہیں اور اعلیٰ دینی تعلیم کے لئے دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے طرز اور نصاب پر ایک بڑا مدرسہ جامعہ اسلامیہ جامعہ آباد بھٹکل شہر سے دور ۱۸ ایکڑ کے رقبہ پر قائم کیا جا چکا تھا اور وہ اپنی زندگی متحرک اور فعال بنائے ہوئے ہے اور وہاں کے فارغین ہندوستان کی بڑی بڑی درسگاہوں اور دینی مراکز میں اس مدرسہ کی اہمیت اور صلاحیت کو ثابت کر چکے ہیں البتہ لڑکیوں کی تعلیم کے لئے کوئی ایسا مدرسہ نہ تھا جس میں لڑکیاں قرآن و حدیث کی تعلیم پا سکیں اور صالحات و قانتات کی زندگی گذار سکیں، اس طرف جناب محی الدین منیری صاحب نے قدم بڑھایا تاکہ لڑکیوں میں علوم نبوت کو فروغ دیا جا سکے اور وہ اپنے حدود و قیود اور اپنی ذمہ داریوں کا احساس کریں اور یکم اگست ۱۹۷۰ء میں تعلیم نسواں کے لئے جامعۃ الصالحات کے نام سے ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی اور تدریس کا انتظام ایک عارضی عمارت میں کی۔ اور نصاب تعلیم اکابرین امت اور بزرگان دین کے مشورہ سے مرتب کیا اور ساتواں پاس لڑکیوں کے لئے پانچ سالہ کورس اور ہائی اسکول پاس طالبات کے لئے تین سالہ کورس مرتب کیا۔ بحمد اللہ ان کو اس میں کامیابی بھی ہوئی اور یہ جدید نظام تعلیم وہاں بہت مقبول ہوا اور احباب نے بھی تعاون کیا منیری صاحب کو اس نظام میں کامیابی سے تقویت پہنچی

←

اور آپ نے قدیم بھٹکل کے سلطانی محلہ جو ٹیپو شہید کی جانب منسوب ہے میں ایک اراضی لے لی جہاں جامعۃ الصالحات کی عمارت تعمیر کروائی اس عمارت کی بنیاد مولانا قاری محمد طیب صاحب نے ۲۰؍ ذی الحجہ ۱۳۹۶ھ میں رکھی اور عارضی عمارت میں تعلیم چلتی رہی اور اہتمام کی ذمہ داری ایک ندوی فارغ ملا اقبال کے سپرد کی اس قلیل وقفہ میں آبادی کو دیکھتے ہوئے ڈھائی سو طالبات کی تعداد پہونچ جانا لڑکیوں میں تعلیمی دلچسپی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

مدرسہ کی نئی عمارت ۱۲ کمرے اور ایک وسیع و عریض ہال پر مشتمل ہے جس میں ایک ایک کمرہ مہتم، صدر مدرس اور لائبریری کے لئے ہیں بقیہ کمرے تعلیم کے لئے۔

اس مدرسہ کے مقاصد میں مسلمان لڑکیوں اور عورتوں میں ایمان ویقین کو پختہ کرنا ہے عمل کا جذبہ ابھارنا ہے ان میں قرآن وحدیث کی تعلیم کو رواج دینا ہے، زندگی کی ہر منزل پر اسلامی معاشرہ اور دینی اصول پر چلنے والی ایسی خواتین تیار کرنا ہے جو آئندہ نسلوں کی دینی تربیت کا ذریعہ بن سکیں نیز وہ امور خانہ داری سے بھی واقف ہو کر گھریلو زندگی سلیقہ سے گذار سکیں اور اسلامی آداب زندگی سے آراستہ ہو کر ایسی راہ عمل اختیار کرسکیں جو ان کو مثالی ماں قابل تقلید بیوی بنا دے اور ان کے گودوں میں پلنے والے نونہال اسلام کے جاں نثار، مجاہد اور خادم بن سکیں۔

اس جامعہ میں تعلیم نسواں کے علاوہ دستکاری میں خیاطی کا بھی شعبہ ہے اور اس کے لئے مشین فراہم کرلی گئی ہیں تاکہ عورتیں گھریلو زندگی میں امور خانہ داری سے پوری واقفیت رکھیں۔ اس کے علاوہ اس میں کے لئے بھی تعلیمی مرکز کا قیام در پیش ہے، اور اس کے لئے انتظامات کئے جارہے ہیں نیز درجہ حفظ بھی کھول دیا گیا ہے۔

اس جامعہ کے افتتاح کے موقع پر مولانا ابوالحسن علی ندوی، مولانا معین اللہ صاحب ندوی نائب ناظم ندوۃ العلماء، مولانا عبدالکریم پاریکھ ناگپور، حکیم عبدالقوی صاحب مدیر صدق جدید، مولانا باسم صاحب فرنگی محلی جنرل سکریٹری دینی تعلیمی کونسل، قاری عبدالعلیم صاحب رئیس القراء حیدرآباد، مولانا جلال کرٹوری مہتمم مدرسہ سبیل السلام گنگور موجود تھے۔

یہ جلسہ مدرسہ کی نئی عمارت میں منعقد ہوا اور تلاوت قرآن پاک کے بعد مولانا کی خدمت میں استقبالیہ نظم پیش کی گئی جس کو جامعہ اسلامیہ بھٹکل کے استاد مولانا خالد ندوی نے ترتیب دیا تھا۔ مولانا جلال کرٹوری نے تعلیم نسواں پر ایک نظم پیش کی تقاریر میں سب سے پہلے جناب مولانا عبدالکریم پاریکھ صاحب نے تقریر کی اور اس موضوع پر تفصیل سے روشنی ڈالی اور لڑکیوں کے لئے دینی تعلیم کی بے انتظامی کے وجوہات کو بتایا، آخر میں حضرت مولانا نے تعلیم نسواں اور عالمات وفاضلات کے کارناموں کو پیش کیا، تفصیل کے لئے ۱۰؍ فروری کا شمارہ ملاحظہ کریں۔ افتتاح کی مناسبت سے جامعہ نے صحیفہ نام سے ایک مجلہ شائع کیا جس میں علمی ودینی شخصیات کے پیغامات اور تعلیم نسواں پر اہم اور قابل قدر مضامین اور نظمیں ہیں، بحیثیت مرتب جناب محی الدین صاحب منیری کا نام درج ہے۔

مولانا نے اپنے چار روزہ قیام میں بہت سی علمی ودینی اور تعلیمی سرگرمیوں میں شریک ہوئے، دینی مکاتب کی بنیاد رکھی، مساجد کی بنیاد رکھی اور بعض قدیم مساجد جو اب نمازیوں کے لئے ناکافی ہوگئی تھیں توسیع کی بنیاد رکھی اس طرح بعض وہ مساجد جس کی گذشتہ آمد پر بنیاد رکھی گئی تھی اس کا افتتاح کیا اور مختصر تقریر بھی کی ان ہی میں مسجد بلال ہے۔ مولانا نے بہت سیدھے سادے انداز میں خطاب کرتے ہوئے سب سے پہلے طہارت پر زور دیا اور زوائد سے اجتناب کرنے کے لئے کہا اور فرمایا کہ بعض چیزوں کے اضافہ سے بہت نزاکت پیدا ہو جاتی ہے لوگوں نے مولانا کی ان باتوں کو بڑے انہماک سے سُنا اور اچھا تاثر لیا۔

مارمی کٹا کے میدان میں پیام انسانیت کا جلسہ

دوسرے دن مولانا نے بھٹکل کے قدیم علاقہ، مارمی کٹا کے میدان میں پیام انسانیت کے جلسہ سے خطاب کیا جس میں بلا تفریق مذہب لوگوں کی بڑی تعداد شریک ہوئی۔ مولانا نے کہا میں آپ لوگوں سے کوئی نئی بات کہنے نہیں آیا ہوں۔ جس طرح ناریل کا درخت آپ کی زندگی میں رچ اور بس گیا ہے اور اس کی ہر چیز قابل استعمال اور مفید ہے اور آگے میں اس کے متعلق کچھ پوچھوں تو آپ کو تعجب ہوگا اسی طرح میں آپ سے کوئی نئی بات کرنے نہیں آیا ہوں میں تو وہی کہنے آیا ہوں جو آپ کے ذہنوں میں ہے دماغ میں ہے آپ کی زندگی میں ہے کہ حالات کو نارمل رکھئے کہ کہنے والا بات کہہ سکے، تعلیم کا کام ہو سکے، اصلاح کا کام ہو سکے، اور انسان کے اندر جو توانائی وقوت ہے اس کا صحیح استعمال ہو اور بیجا استعمال سے رائیگاں نہ ہو جائے۔ انسان کی فطرت میں غصہ ہے لیکن اس کو دبانا اس سے بڑھ کر انسانیت کی دلیل ہے اور بات اتنی سیدھی ہے کہ سیدھی ہو جانے کی وجہ سے بڑی مشکل ہے۔

اگر ملک کے حالات نارمل نہ رہے تو نہ تعلیم چل سکتی ہے نہ سیاست چل سکتی ہے نہ انتظامات ہو سکتے ہیں اور نہ امن و امان قائم رہ سکتا ہے نہ کوئی ادبی خدمت کی جاسکتی ہے نہ کوئی تحقیق وریسرچ کا کام ہو سکتا ہے نہ کوئی دانشمندی اور عقلمندی کی بات کہہ سکتا ہے اور ہر شخص کو اپنی جان کا خطرہ ہوگا اور لوگوں کا مزاج بدل جائے گا اور تعمیر کے نام سے ان کی طبیعت اچاٹ ہو جائیگی تو بھائیو! نارمل حالات رکھو اور جیو اور جینے دو کے اصول پر جیو اور بقاء باہم کے اصول پر پھلو پھولو اور پروان چڑھو۔ ہمارا ایک تشخص وامتیاز ہے ایک تہذیب ہے ایک کلچر ہے ایک زبان ہے، پرسنل لا ہے، وہ قومی پرسنل کے متضاد نہیں ہے، یہ تضاد ہمارے دماغ میں ہے اور یہ دماغ کی خرابی باہر آکر اٹھنے نہیں دیتی ہے اور یہ تخیل دیا جاتا ہے کہ ہم ایک بڑی شئی ہیں اور ان اوہامات کا ان کے بچے بھی شکار ہوتے ہیں اور ان کا دل ہمیشہ کے لئے کمزور ہو جاتا ہے اور یہ خیالی جن اور عفریت کہ ہم سب کوئی عفریت ہیں اور ہم سے نفرت کرنا چاہئے جس کا ظاہر میں کوئی وجود نہیں ہے ملک کو سخت ترین نقصان پہنچا ہے۔ اگر ملک میں فرقہ وارانہ فسادات نہ ہوتے تو یہی ملک ترقی کر کے کہاں پہونچ گیا ہوتا اور اس سے باہر الگ بدنامی ہوتی ہے اور بیرون ملک میں رہنے والے ہندوستانیوں کے سر ندامت سے جھک جاتے ہیں اور بیرونی دنیا ہم کو غیر مہذب اور غیر ترقی یافتہ سمجھتی ہے۔

ہم صرف اتنا کہیں گے کہ ہر شخص کو امن واطمینان سے رہنے کا حق ہو اور ہر شخص کو پھلنے اور پھولنے کا یکساں موقع ملے اور باغ میں جب مختلف رنگوں کے پھول کھلے رہتے ہیں، تب ہی وہ جاذب نظر اور خوبصورت معلوم دیتا ہے۔

مولانا نے عوام کو ہوشیار کیا کہ بڑی سے بڑی چیز کو ایک معمولی چیز خراب کر دیتی ہے اور بڑے سے بڑے سنجیدہ اجتماع کو معمولی چیز درہم برہم کر دیتی ہے آپ کو ایسی حرکات اور سرگرمیوں سے ہوشیار رہنا چاہئے اور اپنے کو اس سے محفوظ رکھنا چاہئے اس میں آپ ہی کا نقصان ہے، اور آپ کا نقصان ملک کا نقصان ہے، پڑوس کے گھر میں آگ لگی ہے تو اس سے آپ محفوظ نہ رہ سکیں گے۔

جامعہ اسلامیہ بھٹکل

مولانا جامعہ اسلامیہ بھٹکل بھی گئے اور منتظمین مدرسہ، طلبہ اور طلبہ کے سرپرستوں کی موجودگی میں تقریر کی اور آپ نے اپنی تقریر میں تینوں طبقہ کے افراد کو مخاطب کیا۔ آپ نے سب سے پہلے حلال روزی پر زور دیا اور فرمایا کہ حلال پیسہ میں کتنی برکت ہوتی ہے اور ظاہر بظاہر کم مقدار میں ہوتے ہوئے وہ کس طرح برگ و بار لاتی ہے اور اس سے اولاد بھی متاثر ہوتی ہے اور اس کے اثرات ان کی زندگی رہن سہن، طور وطریقہ اور تعلیم سب پر پڑتی ہے، آپ نے طلبہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اساتذہ کا اکرام تعلیمی نقطہ نظر سے بہت اہم ہے اور اس کے بغیر حصول علم دین ہی نہیں بلکہ کوئی بھی علم حاصل کرنا ناممکن ہے اور مستقبل کی زندگی اسی پر منحصر ہے آپ نے اپنی تقریر میں منتظمین اور اساتذہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا، آپ حضرات مدرسہ میں ایسی فضا پیدا کریں کہ ایک نمونہ کا مدرسہ بن جائے اور اساتذہ کو

(بقیہ صفحہ ۲ پر)

تبصرہ کے لئے ہر کتاب کے دو نسخے آنا ضروری ہیں

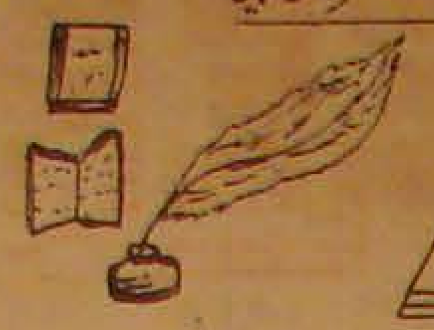

مطالعہ کی میز پر

البیرونی اور جغرافیۂ عالم؛ از مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم
صفحات: ۱۱۲، قیمت: ۱۵ روپے
پتہ: مکتبۂ جامعہ، جامعہ ملیہ اسلامیہ، جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

علامہ ابوالریحان البیرونی علوم عقلیہ میں ریاضیات، جغرافیہ، سائنس، طب اور تاریخ پر مختلف زندہ جاوید کتابیں لکھ کر مشاہیر عالم میں اپنی جگہ بنا چکے ہیں، کتاب الہند کے بارے میں ہندوستانی فاضلوں کو بھی اعتراف ہے کہ اس کے ذریعہ ہندوستان کے علوم وفنون اور تاریخ دستبرد زمانہ سے محفوظ ہوگئی ہے۔

انھوں نے اپنی کتابوں الآثار الباقیۃ القانون المسعودی میں جغرافیۂ عالم سے بھی عالمانہ بحث کی ہے جس سے اب تک کے جغرافیہ نگار ومؤرخ مستفید ہوتے رہے ہیں۔ انھیں مباحث کو استنبول یونیورسٹی کے استاذ تاریخ اور مشہور محقق زکی ولیدی طوغان نے ۱۹۲۷ء میں 'صفۃ صورۃ المعمورۃ علی البیرونی' کے نام سے مرتب کیا جو ترکی میں عربی رسم الخط کی ممانعت کی وجہ سے شائع نہیں ہو سکی اور بالآخر دہلی سے شائع ہوئی۔ جس سے متاثر ہو کر مولانا آزاد مرحوم نے پیش نظر کتاب رقم فرمائی جس کی اشاعت کی نوبت تقریباً چالیس سال کے بعد آرہی ہے۔ شروع میں ملک کے مشہور فاضل اور اہل قلم پروفیسر ضیاء الحسن فاروقی پرنسپل جامعہ کالج دہلی کے قلم سے ایک مبسوط فاضلانہ مقدمہ ہے جو البیرونی کے علمی مقام کے تعارف کے لحاظ سے مستقل حیثیت کا حامل ہے، پھر جناب مسیح الحسن صاحب نے مولانا آزاد کے اس مخطوطے کی دریافت کی دلچسپ روداد سنائی ہے، اس کے بعد اصل کتاب شروع ہوتی ہے جو مولانا آزاد کے ہمہ گیر علم وفضل کا ایک شاہکار ہے جسے دیکھ کر خوشگوار حیرت ہوتی ہے کہ جغرافیہ ہیئت وفلکیات کے مغربی ومشرقی ماخذ پر بھی ان کی گہری نظر تھی اور وہ ان کا محاکمہ کر سکتے تھے۔

مولانا نے البیرونی کی جغرافیہ نگاری کے ساتھ قرون وسطیٰ کے علم جغرافیہ کا بھی ایک اجمالی جائزہ پیش کر کے اس عہد کے جغرافیہ دانوں کے درمیان البیرونی کے ممتاز مقام سے روشناس کرایا ہے۔

مولانا آزاد کی اس کتاب کے ذریعہ جہاں البیرونی کی جغرافیہ نگاری کی خصوصیات سامنے آئی ہیں وہیں خود مولانا مرحوم کی جغرافیہ دانی اور تبحر علمی کے نئے پہلو بھی ظاہر ہوئے ہیں جو ان کے سوانح نگاروں کو دعوت فکر دیتے ہیں۔

کتاب کا آٹھواں باب 'محمود غزنوی اور البیرونی' کے تعلقات پر ہے جو تشنۂ تحقیق معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ محمود کی علم دوستی اور معارف پروری پر بہت سا تاریخی مواد فراہم ہو چکا ہے جس کے بعد اس سلسلے میں کسی شبہ کی گنجائش بہت کم رہ جاتی ہے۔

اعلام النثر والشعر فی العصر العربی الحدیث؛ از پروفیسر محمد یوسف صاحب کوکن
صفحات ۴۰۷، قیمت ۶۰ روپے
پتہ: حافظ ہاؤس، ۱۳- میلاپورن اسٹریٹ۔ مدراس - ۱۴

پروفیسر محمد یوسف صاحب کوکن مدراس یونیورسٹی میں شعبۂ عربی، فارسی اور اردو کے صدر رہ چکے ہیں اور ان کی زندگی علم وتحقیق کے میدان میں گزری ہے، علامہ ابن تیمیہؒ پر اُن کا کام بڑی اہمیت کا حامل ہے اردو کی طرح وہ عربی میں بھی بڑی روانی کے ساتھ لکھتے ہیں جس کا ایک اچھا نمونہ پیش نظر کتاب ہے جو جدید عربی ادب پر ان کے محاضرات کا مجموعہ ہے جو انھوں نے کالی کٹ یونیورسٹی میں دیے تھے۔ شروع میں عالم اسلام کے سیاسی جائزہ کے بعد عربی صحافت کی تفصیلی تاریخ پیش کی گئی ہے۔ پھر عربی نثر ونظم کے مشاہیر واعلام کے سوانحی خاکے اور ان کا نمونۂ کلام دیا گیا ہے۔ مگر ان مشاہیر کے انتخاب میں یکسانیت اور توازن پوری طرح ملحوظ نہیں رہ سکا ہے اور متعدد اہم نام چھوٹ گئے ہیں، متعدد مسیحی صحافیوں کو غیر ضروری طور پر اہمیت دیدی گئی ہے، کہیں کہیں زبان بھی نظر ثانی کی محتاج ہوگئی ہے۔

اسی طرح سوانح کے حصے طویل مگر تنقید اور اسالیب بیان پر تبصرے بہت مختصر اور تشنہ ہیں، سوانح کے سلسلے میں غیر ضروری تفصیلات بھی آگئی ہیں۔ خلیل مطران کا تذکرہ بہت سے غیر ضروری اور غیر دلچسپ بیانات پر مشتمل ہے چنانچہ صفحہ ۲۶۲ سے صفحہ ۲۶۴ تک مطران کے مداحوں کے افراد کے ناموں کے اندراج کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ حیرت ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے امیر الشعراء شوقی کی عظمت واہمیت کو عقاد، مازنی اور طٰہٰ حسین کی معاندانہ تنقیدوں سے کم کر دیا ہے اور خلیل مطران کو اشعر الشعراء قرار دے کر بارودی وحافظ ابراہیم حتیٰ کہ شوقی پر بھی فضیلت بخش دی ہے جسے مذاق سلیم قبول کرنے میں بہت تامل کرے گا۔ البتہ امیر شکیب ارسلان مرحوم پر بہت اچھا مقالہ بھی زینت کتاب ہے۔ مجموعی حیثیت سے عربی مدارس وجامعات کے طلبہ کے لئے کتاب ہر طرح مفید اور پُر از معلومات ہے اور مصنف محترم کی محنت ہر طرح قابل قدر ہے۔ ہمیں امید ہے کہ دوسرا ایڈیشن اور بہتر شکل میں سامنے آئے گا۔

بندوق؛ از جناب سید اشتیاق علی صاحب علوی
صفحات: ۳۳۹، قیمت: ۱۲ روپے
پتے (۱) اشتیاق علی صاحب علوی، کاکوری کوٹھی، خیال گنج کراسنگ لکھنؤ
(۲) الفرقان بک ڈپو ۳۱ - نیا گاؤں مغربی نظیر آباد، لکھنؤ

محترم مصنف رؤسائے کاکوری اور ندوۃ العلماء کے بنیادی ارکان منشی اطہر علی صاحب ومنشی احتشام علی صاحب کے گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں جو علم دوست ہونے کے ساتھ خاندانی رئیس اور شکار کے بھی شوقین تھے، مصنف کو بھی ان خصوصیات کا حصہ رسد ملا ہے۔ وہ صرف شکار کا شوق ہی نہیں رکھتے بلکہ اس کے شوق انگیز واقعات بھی قلم بند کرتے رہتے ہیں جو ملک کے مشہور رسائل واخبارات میں چھپتے رہتے ہیں اس طرح وہ اردو کے جم کاربٹ Jim Corbett کہے جاسکتے ہیں۔

کتاب کے شروع میں انھوں نے بندوق کے تمام کل پرزوں کی جملہ تفصیلات بتائی ہیں اور اچھی بندوق کی پہچان کے طریقے مختلف طرح کی گولیوں کی کارگزاری اور نشانہ بازی کے اسرار ورموز بتائے ہیں، پھر عام جنگلی جانوروں کے شکاری پہلو اور ان کی مخصوص عادتوں کی نشاندہی کی ہے اور پھر آخیر میں اپنے شکاری سفروں کی دلچسپ روداد سنا کر گویا اپنے علم کے عملی تجربے بھی سُنا دیے ہیں۔ اردو میں اس طرح کی کتابوں کی بہت کمی ہے۔ امید ہے کہ اس سے قارئین خاطر خواہ فائدہ اٹھائیں گے جو ان کے لئے جنگل گائڈ کا حکم رکھتی ہے۔ زبان وبیان سادہ وسلیس ہے جو اس طرح کے موضوع کے لئے بہت مناسب ہے۔

سرزمین رنگ وبو لکھنؤ کے مسحور کن عطریات
شمامۃ العنبر
زعفرانی حنا
کارخانہ
محمد سلیمان محمد یوسف پرفیومرس
یوسف بلڈنگ نادان محل روڈ لکھنؤ (انڈیا) سے طلب کریں